علمی مضامین سلسلہ نمبر ۱۰ (قسط:۱)

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

دورِ حاضر کے سیاسی اور اِقتصادی مسائل

اور

اِسلامی تعلیمات و اِشارات

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ ﴾

✿ ✿ ✿

مالی نظام کے اِسلامی اُصول اور بنیادی نظریے :

قرآنِ پاک اور سیرتِ مقدسہ کا مطالعہ کرنے والا حیران رہ جاتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ وہ سورتیں اور آیتیں جو نبوت کے اِبتدائی دور میں نازل ہوئیں جن سے دعوتِ اِسلام کا آغاز ہوا اُن میں جس طرح توحید، خدا پرستی اور نماز کی ہدایت و تلقین کی گئی ہے اور شرک سے نفرت دلائی گئی ہے اِسی طرح قوت و شدت کے ساتھ اُن میں دولت صَرف کرنے کا حکم ہے، طغیان انگیز سرمایہ داری اور بحران پیدا کرنے والی دولتمندی سے نفرت دلائی گئی ہے اور ایسے صرف و خرچ سے ممانعت کی گئی ہے جس کا مقصد

اِستحصال ہو۔ مثلاً

(۱) سورۂ مزمل نبوت کے اِبتدائی دور میں نازل ہوئی اِس کا پہلا حصہ پہلے سال نازل ہوا جس میں شب بیداری کی تلقین اور فرعونیت سے مقابلہ کرنے کی ہدایت ہے (جس کے تحت میں ملوکیت بھی آجاتی ہے)۔ دُوسرا حصہ جو ایک سال بعد نازل ہوا جو اِن اَحکام پر ختم ہوتا ہے نماز قائم کرو، زکوۃ اَدا کرو، اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دیتے رہو۔ اِس آیت میں خدا پرستی سے متعلق صرف ایک حکم ہے : ''نماز قائم کرو'' لیکن دولت سے متعلق دو حکم ہیں : ''زکوۃ اَدا کرو اور اللہ کو قرضِ حسن دیتے رہو۔'' (آیت : ۲۰)

(۲) اِس سے پہلے سورۂ علق (اِقرأ) نازل ہوئی تھی جس کی اِبتدائی آیتوں سے وحی کا آغاز ہوا ہے اور یہی لمحہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو منصبِ نبوت عطا ہوا تھا، اِس سورت کا دُوسرا حصہ کچھ عرصہ بعد نازل ہوا دُوسرے حصے کا پہلا فقرہ یہ ہے ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی﴾ سچ مچ یہ حقیقت ہے کہ اِنسان آپے سے باہر ہو جاتا ہے اِس پر کہ دیکھتا ہے کہ وہ مستغنی (صاحبِ دولت) ہو گیا ہے۔ (آیت : ۶، ۷، ۸)

(۳) سورہ مدثر سب سے پہلی سورت ہے جس میں آپ کو دعوت و تبلیغ کی ہدایت کی گئی ہے اِس کے پہلے فقرے میں جس طرح یہ حکم ہے ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ اِسی طرح یہ حکم ہے ﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ کسی پر اِس غرض سے اِحسان نہ کرو کہ اُس سے زیادہ حاصل کرنا مقصود ہو۔

(کسی کو اِس غرض سے نہ دو کہ زیادہ معاوضہ چاہو۔ بیان القرآن)۔ (آیت : ۳ ، ۶)

(۴) مکی سورتوں میں سورۂ بلد بھی ہے اُس کی چند آیتوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے :

''کیا (اِنسان) خیال کرتا ہے کہ اُس کو کسی نے دیکھا نہیں۔ کیا نہیں دیں ہم نے اُس کو دو آنکھیں، کیا نہیں دی ہم نے اُس کو زبان، کیا نہیں دیے ہم نے اُس کو دو ہونٹ (جن کے ذریعے گفتگو اور تقریر و خطابت کا وہ شرف اُس کو حاصل ہے جو کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے) اور کیا نہیں بتا دیے ہم نے اُس کو (خیر و شر، کامیابی و ناکامی کے) دونوں راستے پس اُس نے گھاٹی کا دُشوار گزار راستہ کیوں نہیں طے کیا آپ کو معلوم ہے گھاٹی کیا ہے ؟ (جس سے گزرنا مشکل ہوتا ہے، گھاٹی کی آسانی یہ

ہے کہ) کوئی گردن چھڑانا (غلام خرید کر آزاد کرنا یا مقروض کا قرض اَدا کر دینا) یا کھانا کھلانا فاقہ کے دِن میں کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی مٹی میں ملنے والے (فرش زمین پر بسر کرنے والے) ضرورت مند کو۔'' (آیت : ۷ تا ۱۶)

یعنی صرف اِس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے اِس کو دیکھنے والا بولنے والا بنایا ہے اِس پر لازم ہے کہ اِس اِنعام کے شکر میں وہ ہر ضرورت مند کی اِمداد کرے، وہ اِس کا عزیز قریب ہو یا اَجنبی۔

(۵) سُوْرَۃُ الْھُمَزَۃِ بھی مکہ معظّمہ کے اُسی دور میں نازل ہوئی، یہ پوری سورت سرمایہ داری کے خلاف اِس شدت سے گرج رہی ہے کہ اِنقلاب پسندوں کے تمام لٹریچر میں اِس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

''تباہی اور بربادی ہے ہر اُس شخص کے لیے جو (اپنی دولت اور سرمایہ کے زعم میں دُوسروں کو) طعنہ دیتا ہے اُن میں عیب نکالتا ہے، جس نے سمیٹا مال اور گن گن کر رکھا خیال کر رہا ہے کہ اُس کا مال سدا رہے گا اُس کے پاس ہرگز نہیں ! یقین رکھو ایسی آگ میں ڈالا جائے گا کہ اُس میں جو کچھ پڑے وہ اُس کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے، آپ کو کچھ معلوم ہے وہ توڑنے پھوڑنے والی آگ کیسی ہے ؟ وہ اللہ کی آگ ہے جو سُلگائی گئی ہے جو دِلوں تک پہنچے گی اور اُن پر پابندی کر دی جائے گی لمبے لمبے ستونوں میں۔''

سورۂ مزمل کی آیت جس کا ترجمہ نمبر ا میں پیش کیا گیا ہے اُس میں صرف دولت کے متعلق دو لفظ ہیں : '' زکوۃ '' اور '' قرض ''

''زکوۃ'' ایک مخصوص مقدار ہے جس کی اَدائیگی ختم سال پر عائد ہوتی ہے جب سرمایہ کی ایک خاص مقدار مثلاً ۵۴ تولہ چاندی جو ضروریات سے فاضل ہو کسی مسلمان کے پاس سال بھر رہی ہو تو اُس پر فرض ہوگا کہ اِس چاندی کا چالیسواں حصہ (تقریباً ایک تولہ ساڑھے تین ماشے) اُس ضرورت مند کو اَدا کرے جو مصرفِ زکوۃ ہونے کی شرطیں پوری کرتا ہو یعنی خود صاحبِ نصاب نہ ہو، ایسا رشتہ دار نہ ہو جس کا نفقہ لازم ہوتا ہے، غیر مسلم نہ ہو، سیّد نہ ہو، وغیرہ وغیرہ۔ مگر یہ تفصیل تقریباً پندرہ سال بعد بتائی گئی

جب آنحضرت ﷺ مکہ معظّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ چکے تھے اور یہاں بھی دو سال بعد۔

جب تک یہ تفصیل نہیں بتائی گئی تھی اُس وقت تک زکوۃ اور قرض میں صرف اِتنا ہی فرق ہوسکتا تھا کہ زکوۃ میں یہ ضروری تھا کہ کسی ضرورت مند کو بلا معاوضہ (بطور ہبہ) کے مالک بنایا جائے اور قرض میں یہ شرط نہیں تھی مثلاً آزاد کرنے کے لیے غلام خریدا گیا تو اُس کی قیمت میں زکوۃ کی رقم نہیں دی جاسکتی تھی کیونکہ یہاں اگرچہ تملیک ہوتی تھی کہ بائع کو رقم کا مالک بنا دیا جاتا تھا مگر یہ تملیک بلا معاوضہ نہیں ہوتی تھی یا مثلاً حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں ایک کنواں (جو ایک یہودی کی ذاتی جائیداد میں تھا) خرید کر وقف کر دیا تو اگرچہ اِس سے مسلمانوں کی ایک بنیادی ضرورت پوری ہوگئی کہ یہودی بغیر معاوضہ لیے پانی بھرنے کی اِجازت نہیں دیتا تھا اور اَب یہ کنواں وقفِ عام ہوگیا تو ہر شخص کو بلا روک ٹوک اور بلا معاوضہ جتنی ضرورت ہوتی پانی لینے کی عام اِجازت ہوگئی تھی، مگر چونکہ کسی مسلمان کو اِس کا مالک بنانا مقصود نہیں تھا لہٰذا اِس میں زکوۃ کی رقم صرف نہیں کی جاسکتی تھی چنانچہ حضرت عثمانِ غنیؓ نے زکوۃ کے علاوہ اپنے پاس سے رقم خرچ کی جو قرض بنامِ خدا ہوئی۔

پس نزولِ آیت کے وقت کا لحاظ کرتے ہوئے آیت کا مفاد وہ ہوا جو قرآنِ شریف میں دُوسرے موقع پر اِن الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے :

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ ﴾ (سُورۃ البقرہ : ۲۱۹)

''اور آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا خرچ کریں ؟ آپ فرمادیں جو کچھ فاضل ہو وہ خرچ کر دو۔ (پوچھتے ہیں تجھ سے کیا خرچ کریں، جو اَفزود ہو۔ شاہ عبدالقادرؒ)

سورۂ بقرہ کی یہ آیت اگرچہ بعد میں نازل ہوئی مگر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی مکی زندگی کی کھلی ہوئی شہادت یہ ہے کہ مکہ معظّمہ میں برابر عمل وہی رہا ہے جو مفہوم آیت ہے۔

بعض حضراتِ مفسرین کی رائے یہ ہے کہ سورۂ مزمل کی یہ آیت جس میں اَدائے زکوۃ کا حکم ہے، مدینہ طیبہ میں نزل ہوئی مگر یہ غیر ضروری تکلف ہے، تحقیق یہی ہے کہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے بموجب یہ آیت مکہ معظّمہ ہی میں نازل ہوئی، مدینہ طیبہ میں زکوۃ کے متعلق مذکورہ بالا

تفسیر بتائی گئی۔ (فیض الباری)

پوری سورۃ کا سلسلۂ کلام بھی یہی واضح کرتا ہے کیونکہ سورۃ کی پہلی آیتوں میں جو شب بیداری کا حکم دیا گیا تھا جب آنحضرت ﷺ اور آپ کے رُفقاءِ کرام نے (جو اُس وقت شرفِ رفاقت حاصل کر چکے تھے) اِس حکم پر اِس طرح عمل کیا کہ کم اَز کم ایک تہائی ورنہ نصف شب یا دو تہائی رات یادِ خدا میں کھڑے ہو کر گزاری جس سے پیروں پر ورم آ گیا اور سال بھر یہ مجاہدہ کرتے رہے، تب اِس سورۃ کا دُوسرا حصہ نازل ہوا جس میں قیامِ شب کے حکم میں تخفیف کی گئی اور حکم ہوا کہ سہولت کے بموجب قرآن پڑھو اور تخفیف کی وجہ ایسے اَنداز سے بیان کی گئی کہ مستقبل کا پورا نقشہ سامنے آ گیا، بیماری کے عوارض بھی پیش آئیں گے، قومی ملی اور معاشی ضرورتوں کے لیے سفر بھی کرنے ہوں گے، راہِ خدا میں جہاد بھی کرنا ہوگا، اِسی آیت کا آخری حصہ یہ ہے کہ جس میں نماز، اَدائے زکوۃ اور قرض فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔ پس جس طرح اِس توجیہہ میں ایک خانہ ''قتال اور جہاد'' کا بھی ہے جس کی تفصیل دس بارہ سال بعد سامنے آئی، ایسے ہی ''زکوۃ'' کا خانہ بھی ہے جس کا تصور اَب دلایا گیا ہے اور تفصیلات بعد میں نازل ہوئیں لہٰذا یہ بات کہ اُس وقت یہ آیت نازل نہیں ہوئی چودہ پندرہ سال بعد مدینہ میں نازل ہوئی تکلفِ بارد ہے، اِتفاق سے یہ پورا رکوع ایک آیت ہے اِس لیے بھی یہ تجزیہ مناسب نہیں ہے کہ کچھ کو مکی مانا جائے اور کچھ کو مدنی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

(۶) اُسی دور کا واقعہ ہے جس کی شہادت سیّدنا اَبوذر غفاری رضی اللہ عنہ دیا کرتے تھے کہ ایک روز حرمِ کعبہ میں گئے تو دیکھا آنحضرت ﷺ دیوارِ کعبہ کے سائے میں تشریف فرما ہیں، اِن کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا : هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ربِ کعبہ کی قسم قیامت کے روز یہی لوگ سب سے زیادہ خسارہ میں رہیں گے۔ حضرت اَبوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے یہ اِرشاد سنا تو لرز گیا، مجھے خوف ہوا کہ شاید میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ؟ میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان، کن کے متعلق یہ اِرشاد ہو رہا ہے ؟ فرمایا : وہی جن کے پاس دولت زیادہ ہے، پھر ہاتھ پھیلا کر دائیں بائیں ہاتھ بڑھاتے ہوئے فرمایا اِس خسارہ سے صرف وہ

مستثنیٰ ہوسکتے ہیں جو اِس طرح (دونوں ہاتھ بڑھا کر) اپنے سامنے دیتے ہیں، دائیں دیتے رہیں بائیں دیتے رہیں۔'' (ترمذی شریف کتاب الزکوٰۃ رقم الحدیث ۶۱۷)

(۷) سیّدنا اَبومسعود اَنصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب (کسی ضرورت میں چندہ کے لیے) ہمیں صدقہ کا حکم فرمایا کرتے تو ہم بازار میں جا کر پلہ ڈھوتے (بوجھ اُٹھانے کی مزدوری کرتے تھے) اور ایک مُد (تقریباً سیر بھر غلہ یا کھجور) حاصل کر لیتے تھے (اور لاکر پیش کر دیا کرتے)۔ (بخاری شریف کتاب الزکوٰۃ رقم الحدیث ۱۴۱۶)

اگر چہ یہ عمل مدینہ میں ہوا کرتا تھا مگر اِس سے مکہ معظّمہ کی زندگی اور وہاں کے طرزِ تعاون پر بھی روشنی پڑتی ہے اِسی وجہ سے قرآنِ حکیم کی آیتیں سابقین اَوّلین کی ثناخوان ہیں اور آنحضرت ﷺ کا اِرشادِ گرامی ہے کہ بعد کے حضرات اگر چہ اُحد کے برابر بھی خرچ کر دیں تو اُن سابقین کے ایک مُد کے مساوی نہیں ہوسکتا۔

عبادت اور پوجا کے دو سلسلے ہیں : ایک وہ جس کی بنیاد توحید ہے، دُوسرا وہ ہے جس کی بنیاد شرک ہے۔ اِسلام توحید کا حامی، داعی اور معلم ہے اور جن عبادتوں کی وہ تعلیم دیتا ہے اُن سب کی بنیاد توحید پر رکھتا ہے۔

اِسی طرح مالی نظام کے دو سلسلے ہیں : ایک وہ جس کی بنیاد دَاد و دَہش، جود وعطا اور اِنفاق (یعنی اپنے سرمایہ کو خرچ کرنے) پر ہے، دُوسرا وہ جس کی بنیاد اَخذ وسِتَدْ [۱]، وصول کرنے، دولت سمیٹنے، اِستحصال اور زیادہ سِتانی [۲] پر ہے۔

اِسلام جس طرح توحید کا حامی، داعی اور مبلغ ہے اِسی طرح وہ اُس مالی نظام کا حامی ہے جس کی بنیاد دَاد و دَہش، اِستغناء، سیر چشمی اور فائدہ رسانی پر ہو۔

وہ مالی نظام کے مذکورہ بالا دُوسرے سلسلہ کا اُتنا ہی مخالف ہے اور اِسی طرح اُس کی جڑیں اُکھاڑتا ہے جیسے وہ شرک، کفر، اِلحاد اور بے دینی کا مخالف ہے اور اِن کے مقابلے کے لیے اپنے تمام

[۱] لین دین [۲] زیادہ طلبی

ذرائع صرف کرتا ہے۔

نبوت کے اِبتدائی دور میں جب تفصیلی اَحکام کی تلقین نہیں ہو رہی تھی اُن کے صرف اِشارات دیے جا رہے تھے، اِن دونوں بنیادوں کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے سورۂ رُوم میں اِسلام کی پالیسی کا اِظہار جن الفاظ میں کر دیا گیا تھا اُن کا ترجمہ یہ ہے :

''اَدا کر قرابت دار کو اُس کا حق اور مسکین کو اور مسافر کو (ملکی ہو یا غیر ملکی کوئی تفریق نہیں ہے) یہ بہتر ہے اُن کے لیے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں ایسے ہی لوگ ہیں فلاح پانے والے (کامیاب) اور وہ جو تم سود دو تا کہ لوگوں کے مال میں بڑھوتی (اِضافہ) ہو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا، (اَلبتہ) جو زکوۃ اَدا کرو جس سے اللہ کی رضا مقصود ہو تو یہ (زکوۃ اَدا کرنے والے) ہی ہیں وہ اِضافہ کرنے والے (بڑھانے والے)۔'' (آیت : ۳۸، ۳۹)

مدینہ طیبہ میں جب تفصیلات بتائی گئیں تو اِن دونوں سلسلوں کا مقابلہ نمایاں کر دیا گیا اور ہر ایک کی تاثیر کی طرف بھی اِشارہ کر دیا گیا، ایک سلسلہ یہ ہے :

(۱) جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں، رات اور دِن پوشیدہ طور پر اور کھلے طور پر تو یقیناً اُن کے پروردگار کے یہاں اُن کا اَجر ہے، نہ اُن کو (عذاب کا) ڈر ہوگا اور نہ (نامرادی کی) غمگینی۔ (سورۂ بقرہ : ۲۷۴)

(۲) جو لوگ اللہ پر اِیمان رکھتے ہیں اور اُن کے کام بھی اچھے ہیں نیز تمام آداب کا لحاظ کرتے ہوئے نماز اَدا کرتے ہیں اور زکوۃ اَدا کرتے ہیں بلاشبہ اُن کے پروردگار کی بارگاہ میں اُن کا اَجر ہے اور نہ اُن کو کسی طرح کا ڈر ہو سکتا ہے، نہ کسی طرح کی غمگینی۔ (سورۂ بقرہ : ۲۷۷)

(۳) سورۂ رُوم کی مذکورہ بالا آیت میں جو فرمایا گیا تھا کہ زکوۃ اَدا کرنے والے ہی اِضافہ کرنے والے ہیں تو اِس اِضافہ اور بڑھوتی کی شکل بھی بیان کر دی گئی کہ اِس کی مثال ایسی ہے جیسے بیج کا دانہ جب بویا گیا تو صرف ایک دانہ تھا پھر ایک دانے سے سات بالیں پیدا ہو گئیں اور ہر دانے میں سو

دانے نکل آئے، اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے اِس سے بھی دُگنا کر دیتا ہے۔ (سورۂ بقرہ : ۲۶۱)

دُوسرا سلسلہ یہ ہے :

(۱) جو لوگ کھاتے ہیں سود، تو نہ اُٹھیں گے مگر جس طرح اُٹھتا ہے وہ جس کے حواس کھو دیے جن نے لپٹ کر (یعنی جیسے کوئی آسیب زدہ ہو یا مرگی کا مریض)۔ (سورۂ بقرہ : ۲۷۵)

(۲) اے ایمان والو ! ڈرو اللہ سے اور چھوڑو جو رہ گیا سود (جو حرمتِ سود سے پہلے لازم ہو چکا تھا) اگر تم فی الحقیقت خدا پر اِیمان رکھتے ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر اِس باغیانہ روِش سے توبہ کرتے ہو تو پھر تمہارے لیے یہ حکم ہے کہ اپنی اصلی رقم لے لو اور سود چھوڑ دو، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے۔ اور اگر مقروض تنگ دست ہے تو چاہیے کہ اُسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے۔'' [۱]

فیصلہ :

دارُالاسلام وہی ہے جہاں اِسلام کا قانون رائج ہو، ایسی مملکت کی کوئی عدالت سود کی ڈگری نہیں دے سکتی۔ اگر دارُالاسلام میں کسی نے سود لے لیا اور سود دینے والے نے عدالت میں دعوی دائر کیا تو اِسلامی عدالت سود کی رقم واپس کرا دے گی۔

اِمام اَبوحنیفہؒ کا مسلک :

دارُالاسلام کا کوئی مسلمان کسی غیر اِسلامی مملکت میں پہنچا اور وہاں اُس نے وہاں کے رہنے والے کسی غیر مسلم سے سود لے لیا تو اِسلام جس اَخلاق کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ اُس کے لحاظ یہ بھی غیر مناسب ہے تاہم قانونی بات یہ ہے کہ اگر وہ غیر مسلم دارُالاسلام میں آ کر اِس سود لینے والے مسلمان پر دعوی کرے تو اِسلامی عدالت اِس سود کو واپس کر دینے کا فیصلہ نہیں کرے گی کیونکہ وہ ایسی مملکت کا معاملہ ہے جو اُس کے دائرہ اِقتدار سے خارج ہے جہاں اِسلامی قانون رائج نہیں ہے۔

---

[۱] سورۂ بقرہ : ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰

آج پوری دُنیا سودی نظام میں جکڑی ہوئی ہے اور بنک سسٹم پر ناز کر رہی ہے مگر کیا دُنیا کی تمام طاقتیں خصوصًا بڑی طاقتیں خود غرضی، سنگدلی اور حرص وطمع کے آسیب میں مبتلا نہیں ہیں ؟ اور کیا خوف وہراس، بے اِطمینانی اور بے اِعتمادی کی وباء تمام دُنیا میں پھیلی ہوئی نہیں ہے ؟

خود غرضی اور سنگدلی سود کا جواز پیدا کرتی ہے اور جب سود ملتا ہے تو اِن خصلتوں میں اور اِضافہ ہوجاتا ہے اور جب یہ خصلتیں قوم کا مزاج بن جاتی ہیں تو وہ بحران رُونما ہوتا ہے جو آج دُنیا پر طاری ہے کہ زیادہ سے زیادہ مہلک آلات اِیجاد ہو رہے ہیں جو بڑی سے بڑی قوموں کو بدحواس کیے ہوئے ہیں، اِنتہا یہ کہ سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک بھی یہی سمجھ رہا ہے کہ وہ آتش فشاں پر بٹھا ہوا ہے۔

نوعِ اِنسانی کے لیے اِس سے زیادہ آسیب کیا ہوسکتا ہے اور کیا اِس مشاہدہ کے بعد بھی اِرشادِ ربانی کی تصدیق کے لیے کسی اور مشاہدہ کی ضرورت ہے۔

اللہ کے لیے قرض اور قومی قرضہ یا قرضۂ جنگ :

حکومتیں ترقیاتی منصوبوں اور دفاعی ضرورتوں کے لیے قوم سے قرض لیتی ہیں۔ کیا عجیب ہے قرض کی اِصطلاح اُنہوں نے قرآنِ حکیم سے سیکھی ہو، اگرچہ اِس اِصطلاح پر جس طرح عمل کیا جاتا ہے وہ منشاءِ قرآنی کے سراسر خلاف ہے کیونکہ وہ قرض کے مقصد اور معنی کو مسخ کر دیتا ہے۔ قرآنِ پاک جس کو قرض کہتا ہے اُس کا اَثر یہ تو ہوسکتا ہے کہ دولتمند کی اُبھری ہوئی سطح پست ہوجائے کیونکہ اِس قرض میں کبھی دولت کا بھی مطالبہ ہوجاتا ہے کہ جو کچھ اَفزود ہے سب خرچ کرو۔ (سورۂ بقرہ : ۲۱۹)

لیکن یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ غریب کی غربت بڑھ جائے اور پسماندہ طبقہ اور پست ہوجائے، اِن کے برعکس رائج الوقت سرکاری قرضوں کا اَثر یہ ہوتا ہے کہ اَمیر زیادہ اَمیر اور غریب زیادہ غریب ہوجاتا ہے، اور اَمیری اور غریبی کے درمیان کا فاصلہ اگر پہلے دس گز تھا تو اَب پندرہ گز ہوجاتا ہے کیونکہ حکومت کا قرض سود سے خالی نہیں ہوتا، یہ سود مختلف قسم کے ٹیکس لگا کر عوام سے وصول کیا جاتا ہے اور قرض دینے والوں کو اَدا کیا جاتا ہے، غریب جو ٹیکس اَدا کرتا ہے اُس کے عوض میں اُس کو کچھ نہیں ملتا

لیکن دولتمند کے ٹیکس کی تلافی اُس سود سے ہوجاتی ہے جو اُس کے دیے ہوئے روپیہ پر ملتا ہے جس کی وجہ سے اُس کی دولت صرف محفوظ ہی نہیں رہتی بلکہ کچھ لے کر صحیح سالم واپس ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اَمیر زیادہ اَمیر اور غریب زیادہ غریب ہوجاتا ہے، یہی سود کی خاصیت ہے کہ اَمیر کو زیادہ اَمیر کردیتا ہے اور غریب کو پیس ڈالتا ہے۔

آمدنی کے عام مدات یعنی زکوۃ، عشر وخراج وغیرہ سے (جن کی تفصیل آئندہ آئے گی) جب قومی اور مُلکی ضرورتیں پوری نہ ہوں تب رب العالمین قرض کی اپیل کرتا ہے لیکن اِس وعدہ کے ساتھ کہ اِس کا منافع اللہ تعالیٰ اَدا کرے گا عوام سے کچھ نہیں لیا جائے گا، عوام کو فائدہ پہنچانے کے لیے قرض لیا جارہا ہے، نہ اِن پر بار ڈالنے کے لیے۔ سورۂ بقرہ میں ہے : اللہ کی راہ میں لڑائی پیش آجائے تو (موت سے نڈر ہوکر) جنگ کرو، اللہ تعالیٰ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (سورۂ بقرہ : ۲۴۴)

اپیل ! کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے کہ اللہ تعالیٰ بڑھادے اُس کے قرض کو اُس کے لیے کئی گنا۔ (سورہ بقرہ : ۲۴۵)

صاحبِ دولت کی دولت (خدا کے نام پر) خزانہ سے نکل کر گردش کرے گی تو ظاہر ہے دولتمند کو اُس دولت میں سے دُنیا میں کچھ نہیں ملے گا اَلبتہ اِس گردش سے عوام کو فائدہ پہنچے گا اُن کی اِقتصادی سطح کچھ بلند ہوجائے گی اور اِس طرح اَمیری اور غریبی کی درمیانی مسافت اِعتدال پر آجائے گی۔

جنگ اور دفاع کے علاوہ دُوسری قومی ضرورتوں کے لیے بھی یہ قرض لیا جائے گا۔ (مثال کے لیے ذیل کا واقعہ مطالعہ فرمائیے)

آنحضرت ﷺ تشریف فرما تھے قبیلہ مضر کا ایک گروہ پہنچا، (شکستہ حال) برہنہ پا، برہنہ بدن، کچھ کمبل لپیٹے ہوئے، کچھ عبا پہنے ہوئے، کمروں میں رسیاں بندھی ہوئیں جن سے کمبل کے کنارے یا عبا کے دامن تھمے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اُن کی یہ حالت دیکھی تو چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا، آپ اَندر تشریف لے گئے پھر باہر آئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اَذان پڑھیں اَوّل جماعت ہوئی پھر آپ نے خطبہ دیا پھر سورۂ نساء کی ایک آیت پڑھی جو اِس سورۃ کی پہلی آیت ہے۔

''اے لوگو ! ڈرو اُس خدا سے جس نے تم کو ایک اِنسان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا، اُس جانِ واحد سے اُس کا جوڑا بنایا پھر اِن دو سے بے شمار مرد اور عورتیں پھیلا دیں، (پس دیکھو) اللہ سے ڈرو جس کے نام پر آپس میں ایک دُوسرے سے (محبت اور حسنِ معاملہ کا) مطالبہ کیا کرتے ہو، نیز رشتہ داری اور قرابت کے معاملہ میں تقویٰ سے کام لو۔ اللہ تعالیٰ (تمہارے اَعمال کا) نگران حال ہے۔''

پھر سورۂ حشر کے آخری رکوع کی اِبتدائی آیتیں پڑھیں :

''اے اِیمان والو ! ڈرتے رہو اللہ سے اور چاہیے کہ دیکھ لے ہر شخص کہ اُس نے کیا بھیجا کل کے واسطے۔'' (سورۂ حشر : ۱۸)

پھر آپ نے فرمایا : ''دینار، درہم، کپڑا، صاع بھر گیہوں، صاع بھر کھجور جس کے پاس جو ہو صدقہ کردے۔ (راہِ خدا میں دے دے) کچھ نہ ہو، کھجور کا ایک ٹکڑا وہی دے دے۔''

حاضرین نے اِرشادِ گرامی سنا اور جو کچھ کسی کے پاس تھا لانا شروع کردیا۔ (سب سے پہلے ایک اَنصاری ایک بوری لے آیا جو اِتنی وزنی تھی کہ وہ اُس کے اُٹھانے سے عاجز ہوئے جارہے تھے پھر نمبر لگ گیا یہاں تک کہ غلہ اور کپڑوں کے دو ڈھیر کھڑے ہوگئے۔ آنحضرت ﷺ کا چہرۂ مبارک خوشی سے چمکنے لگا۔) (مسلم شریف ، الحث علی الصدقة ج ۱ ص ۳۲۷)

اِسی جیسے موقع پر آپ نے ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا : اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ آگ سے بچو، اگر کچھ نہ ہو کھجور کا ایک ریزہ ہی دے کر۔ (مسلم شریف ۱/ ۳۲۷۔ بخاری شریف رقم الحدیث ۱۴۱۷، وغیرہ)

یعنی ایسے موقع پر جبکہ فاقہ کی حالت سامنے ہو جو کچھ ممکن ہو اُس کا خرچ کرڈالنا واجب ہے اگر خرچ نہ کیا تو عنداللہ عذاب کا مستحق ہوگا۔ قرآنِ حکیم ایسے صَرف کو اللہ تعالیٰ کے ذمہ قرض تسلیم کرتا ہے۔ اِس قرض سے عوام کی ضرورت پوری ہورہی ہے اُن کی سطح بلند ہورہی ہے اور اہلِ ثروت کا اَخلاقی فرض اَدا ہورہا ہے، خودغرضی اور سنگدلی کے بجائے آپس میں محبت، ہمدردی اور اِحترام کے جذبات بڑھ رہے ہیں، یہ نعمتِ کبریٰ ہے جس کی رہنمائی قرآنِ حکیم کررہا ہے۔

مِلکیت کی حقیقت اور حقیقی مالک

مِلکیت :

مسئلہ ملکیت اُن ذہنوں میں اُلجھا ہوا ہے جو خدا شناسی کی روشنی سے محروم ہیں، جو صاحبِ عقل وبصیرت خدا پر اِعتقاد رکھتے ہیں جن کو یقین ہے کہ پوری کائنات اور کائنات کی ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے وہ یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ مالک وہی ہے جو خالق ہے جو رب ہے جو پروردگار ہے۔

اگر شیئر ہولڈروں اور کمپنی کے حصہ داروں کو اِس لیے مالک مانا جاتا ہے کہ اُنہوں نے رقم لگائی ہے میٹریل فراہم کیا مزدُوروں کی مزدُوری اَدا کی یا مزدُوروں کی ملکیت کا دعوی اِس لیے کیا جاتا ہے کہ محنت پیداوار کی اصل ہے، اُنہوں نے محنت کر کے جو مال تیار کیا تو جو مال تیار کرنے والا ہے وہی مالک ہونا چاہیے تو اِن دلائل کی بنیاد پر حقیقی مالک اُس کو کیوں نہیں مانا جائے گا جس نے مال تیار کرنے والے کو تیار کیا، جس نے میٹریل پیدا کیا جو سرمایہ دار اور مزدُور دونوں کا خالق ہے، جس نے سرمایہ دار کو سرمایہ بخشا تو مزدُور کو وہ قوت عطا کی جس سے وہ مزدوری کرتا ہے اُس کے ہاتھ پیر اور وہ تمام اَعضاء بنائے جن سے وہ کام لیتا ہے۔

توحید :

توحید یہ ہے کہ جس طرح پوری کائنات اور کائنات کی ہر شے کا خالق خدا کو مانا جائے، ایسے ہی ہر شے کا مالک بھی اُسی کو مانا جائے، یہ صرف اُسی کی عطا ہے کہ اُس نے ہمیں نیست سے ہست کیا یعنی نیست کو جامۂ وجود پہنایا، یہ صرف اُسی کا کرم ہے کہ کائنات کی ہستیاں ہمارے لیے مخصوص کر دیں ہمیں اُن پر اِقتدار بخشا اور اُن کے اِستعمال کا حق عطا فرمایا۔ قرآنِ پاک اِسی فلسفہ کو ذہنوں میں پیوست کرتا ہے اور صاحبِ اِیمان کا ذہن اِسی فلسفہ کو حق سمجھتا ہے، اِن حقائق کا کون اِنکار کر سکتا ہے جن کی طرف قرآنِ پاک نے تقریباً ڈیڑھ سو آیتیں میں اِرشاد فرمایا ہے جن میں سے چند یہ ہیں :

﴿ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ﴾ اللہ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا۔ (سورۂ زمر : ۶۲)

﴿ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ﴾ ہر چیز کو پیدا کیا (سورۂ اَنعام : ۱۰۱)

﴿ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ ﴾ کیا کوئی پیدا کرنے والا ہے اللہ کے سوا ؟ (سورۂ فاطر : ۳)

﴿ فَاَرُوْنِیْ مَا ذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ پس مجھے دِکھاؤ وہ کیا ہے جس کو اللہ کے علاوہ دُوسروں نے پیدا کیا۔ (سورۂ لقمان : ۱۱)

﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ اللہ نے بنایا تم کو اور اُن چیزوں کو جن کو تم بناتے ہو۔ (سورۃ الصافات : ۹۶)

جب وہ اِنسان کا خالق اُس کی معمولات ومصنوعات کا خالق، اِنسان کے علاوہ کائنات کی ہر چیز کا خالق ہے تو لامحالہ ہر چیز کا مالک بھی ہے، جو چیز بھی ہے وہ اُسی کی ہے اور صرف اُسی کی ہے۔

﴿ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ﴾ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ (سورۂ بقرہ : ۲۸۴)

قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) عبید اللہ بن المسعود الحنفی المتوفی ۷۴۵ھ/ ۱۳۴۴ء صاحبِ شرح الوقایہ عرف ''صدر الشریعۃ الثانی'' نے (مِلک کی) یہ تعریف کی :

هُوَ اِتِّصَالٌ شَرْعِیٌّ بَيْنَ الْاِنْسَانِ وَبَيْنَ شَیءٍ يَكُوْنُ مُطْلِقًا لِتَصَرُّفِهٖ فِيْهِ وَ حَاجِزًا عَنْ تَصَرُّفِ الْغَيْرِ فِيْهِ. (شرح الو قایه)

''مِلک اِنسان اور کسی چیز کے درمیان شریعت کا تجویز کردہ ایسا تعلق ہے جو اُس شخص کے لیے جائز قرار دیتا ہے کہ وہ اُس شے میں تصرف کرے اور دُوسرے کے تصرف کو روکتا ہے۔''

شارح ہدایہ، علامہ کمال بن الہمام متوفی ۸۶۱ھ/ ۱۴۵۷ء کی تعبیر یہ ہے :

﴿ اَلْمِلْكُ قُدْرَةٌ يُثْبِتُهَا الشَّارِعُ اِبْتِدَاءً عَلَى التَّصَرُّفِ اِلَّا لِمَانِعٍ .

(بحواله الاشباه و النظائر ص ۵۳۱ القول فی الملك الفن الثالث)

''مِلک، تصرف کرنے کی وہ قدرت ہے جو شریعت نے بلا واسطہ ثابت کی ہو بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔''

یعنی ایسی قدرت کہ اگر کوئی شرعی (قانونی) رُکاوٹ نہ ہو تو ہر طرح تصرف کرسکتا ہے۔ تصرف کی طاقت وکیل کو بھی ہوتی ہے مگر بلا واسطہ نہیں ہوتی بلکہ مؤکل کی عطا کردہ ہوتی ہے لہٰذا وکیل کو مالک نہیں کہا جائے گا۔

ایک دیوالیہ جس کو عدالت نے نوٹس دے دیا کہ وہ کوئی چیز بیچ نہیں سکتا وہ اگرچہ تصرف نہیں کرسکتا مگر اپنے اَثاثہ کا مالک ہے۔

ہندوستان کے مشہور مایہ ناز فیلسوفِ اِسلام حضرت مولانا شاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی المتوفٰی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۳ء کے الفاظ نہایت مختصر اور واضح ہیں وہ فرماتے ہیں :

مَعْنَى الْمِلْكِ فِيْ حَقِّ الْاٰدَمِيِّ كَوْنُهٗ اَحَقَّ بِالْاِنْتِفَاعِ مِنْ غَيْرِهٖ. [۱]

''آدمی کے حق میں مِلک کے معنی یہ ہیں کہ دُوسرے کے مقابلہ میں اُس کو نفع اُٹھانے کا حق زیادہ ہے۔''

بہر حال جبکہ ملکیتِ انسان کی حقیقت صرف یہ نکلی کہ اُس نے ایسا قابو پالیا یا اُس کو ایسی قدرت میسر آگئی جس سے اُس کو نفع حاصل کرنے کا حق ہوگیا تو اِیمانداری یہ ہے کہ اِس مقبوضہ کو اِنسان اَمانت یا عاریت سمجھے، اِس کے اصل مالک کو پہچانے اور اپنے تصرف اور اِنتفاع کو مالکِ حقیقی کی ہدایات کے ماتحت رکھے جن حقیقت شناس خدارسیدہ بزرگوں نے قرآن اور مذہب کی روشنی میں اِسلام واَحکامِ اِسلام کے فلسفہ کو سمجھا پھر اُس کو فارسی زبان کے شیشہ میں ڈھالا، اُن میں سے ایک کا شعر ہے :

در حقیقت مالکِ ہر شے خدا اَست

اِیں اَمانت چند روزہ نزدِ ما اَست

یہ شعر مسلمانوں کے عقیدہ کے عین مطابق ہے اِس لیے ہر باذوق مسلمان کی زبان پر ہوتا ہے اور جب وہ اپنی اور اِن چیزوں کی حقیقت پر غور کرتا ہے جن کو وہ اپنی سمجھتا ہے تو خاص جذبہ اور کیف کے ساتھ اِس شعر کو گنگناتا رہتا ہے۔ (جاری ہے) ۞ ۞ ۞

---

[۱] حُجة اللّٰه البالغة ج ۲ ص ۹۶

علمی مضامین سلسلہ نمبر ۱۰ (قسط:۲)

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

دورِ حاضر کے سیاسی اور اِقتصادی مسائل

اور

اِسلامی تعلیمات و اِشارات

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ ﴾

۞ ۞ ۞

اِنفرادی مِلک کی ضروت :

گائے بیل وغیرہ جتنے بھی جانور ہیں اُن کے سامنے صرف پیٹ بھرنے یعنی بقاءِ حیات کا مسئلہ ہے قدرت اُن کی رہنمائی کرتی ہے اور یہ جانور قدرتی ذخیروں سے پیٹ بھر لیتے ہیں، یہاں ملکیت کا سوال پیدا نہیں ہوتا اگر اِنسان کے سامنے بھی صرف بقاءِ حیات کا مسئلہ ہوتا تو قطعاً ضرورت نہیں تھی کہ اِنسان کے حق میں مِلک، مِلک کی حیثیت اور اُس کی ضرورت پر بحث کی جاتی لیکن اِنسان کے سامنے پیٹ سے پہلے خود اِنسانیت کا مسئلہ ہے ! اِنسان ہے تو لامحالہ اُس میں اِنسانیت ہونی چاہیے، اِنسانیت کیا ہے

اِنسانیت کیسے پیدا کی جائے، اِن مسائل کو اگر پیٹ کے مسئلہ سے مقدم نہ رکھا جائے تو اِنسان اور حیوان میں فرق نہ رہے۔

مسئلہ اِنسانیت اور اُس کا حل :

مسئلہ اِنسانیت اُس وقت تک حل نہیں ہوسکتا جب تک قدرت کی پیدا کردہ چیزوں پر قدرت کی طرف سے اَفرادِ اِنسان کے لیے ایسے تصرفات کا حق نہ تسلیم کیا جائے جن کو مالکانہ تصرفات اور مالکانہ اِختیارات کہا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اِنسان سماج چاہتا ہے اور سماج یا معاشرہ ہی ایسی خصوصیت ہے جو اِنسان کو حیوانات سے ممتاز کرتی ہے اور تعمیر و تمدن اور ترقی کی بنیاد بنتی ہے، اِنسانیت ایسی خصوصیتوں اور خصلتوں کا نام ہے جن سے معاشرہ اور سماج میں خوبی اور عمدگی پیدا ہو جن کے ذریعہ ایک اِنسان بہترین سماج کا معمار بن سکے ورنہ کم اَز کم کسی باعزت اور شریف سوسائٹی کا رُکن بن سکے۔

معاشرہ اور سماج کے لیے باہمی رابطہ تعاون اور اَمن بنیادی شرط ہے، اِن شرطوں کے بغیر سماج کا وجود ہی نہیں ہوسکتا اور اگر بالفرض وجود ہو جائے تو وہ باقی نہیں رہ سکتا اور اچھا سماج وہ ہے جس کے اَفراد کا باہمی رابطہ اُنسیت اور محبت کے رشتہ میں جکڑا ہوا ہو، ہمدردی کی پسیج اُس رشتہ کے اَندر سرایت کیے ہوئے ہو، رحم اور شفقت کے پودے لگے ہوئے ہوں جو بڑھ چڑھ کر سماج کو اِنسانیت اور شرافت کا گلشن بنا رہے ہوں۔

اَسبابِ محبت :

محبت رُوحانی تعلیم سے بھی پیدا ہوسکتی ہے، ماں باپ کی محبت فطری ہوتی ہے لیکن سماج اور معاشرہ کا ہر ایک فرد دُوسرے کا ماں باپ نہیں ہوتا اُس میں برابر کے بھائی بہن بھی ہوتے ہیں اور ایسے اجنبی بھی ہوتے ہیں جن سے خون کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا یا اگر ہوتا ہے تو بہت دُور کا، رُوحانی تربیت بھی ہر ایک کا حصہ نہیں ہے۔

حُسن کا چرچا بہت ہے جس کے لیے عشق و محبت کا سرمایا لُٹایا جاتا ہے مگر اِس پر متاعِ جان

قربان کرنے والے بہت کم ہیں، حضراتِ شعراء کو دُنیاءِ شعر میں صرف ایک ہی مجنون ملا ہے مگر اُس کا بھی حسب ونسب معلوم نہیں اور نہ یہ معلوم کہ کس مُلک کا رہنے والا تھا، لفظِ ''مجنون'' عربی ہے اِس سے اَنداز ہوتا ہے کہ صحرائے عرب کا ہوگا۔

بہرحال مخصوص صورتوں اور نادِر مثالوں کو چھوڑ کر عام بات یہی ہے کہ محبت اور اُنسیت ثمرہ ہوتا ہے اِحسان کا، نتیجہ ہوتا ہے لطف وکرم کا، اِیثار اور قربانی کا، داد ودَہش اور سخاوت کے پودوں پر محبت کے پھول کھلا کرتے ہیں، ہدیہ اور تحفہ کی ڈالیوں پر عنایت وشفقت کے غنچے چٹخا کرتے ہیں لیکن یہ اَسبابِ محبت جب ہی وجود میں آسکتے ہیں اور معاشرہ وسماج وجود پذیر ہوکر بہتر جب ہی بن سکتا ہے جب اَفراد کو مالکانہ اِختیارات حاصل ہوں اور جن چیزوں کو قدرت کی اَمانت کہا گیا ہے وہ اُن اَفراد کے لیے مملوک کی حیثیت رکھیں، سخاوت جب ہی ہوسکتی ہے جب اپنے پاس کچھ ہو، تب ہی کسی پر اِحسان ہو سکے گا، تب ہی اِیثار اور قربانی کی حقیقت کھل کر سامنے آئے گی کہ آپ ضرورت مند کی ضرورت کو مقدم رکھتے ہیں یا اپنے بنک بیلنس کی خیر مناتے ہیں۔

اِسلام ایک خاص قسم کا سماج رُونما کرنا چاہتا ہے، قرآن شریف کی ہدایت اور تعلیم کے بموجب اُس کے اَفراد ایسے ہونے چاہئیں :

''جو خرچ کرتے رہتے ہوں خوشی میں اور تکلیف میں، جو دَبا لیتے ہوں غصہ اور معاف کرتے ہوں لوگوں کو۔'' (سورۂ آلِ عمران آیت : ۱۳۴)

''جو نماز کو پوری شان کے ساتھ اَدا کریں اور اللہ تعالیٰ نے جو اُن کو دیا ہے اُس میں سے پوشیدہ اور ظاہر (ہر طرح) خرچ کرتے رہیں۔'' (سورۂ رعد آیت : ۲۲)

''جو یتیم، مسکین اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ایسی حالت میں کہ جب کھانا خود اُن کو محبوب ہو، (وہ خود ضرورت مند ہوں اور نیت یہ ہو کہ) ہم صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے لیے کھانا کھلاتے ہیں، تم (بھوکوں اور ضرورتمندوں) سے نہ اِس کا کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔'' (سورۂ دہر آیت : ۹)

''جن کی کروٹیں اَوقاتِ شب میں بستروں سے جدا رہیں، خدا کا خوف رکھتے ہوئے اُس کی رحمت کی اُمید لگاتے ہوئے اپنے رب کو یاد کرتے رہیں اور جو کچھ اللہ نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے رہیں۔'' (سورۂ سجدہ آیت : ۱۶)

''جو رات کو بہت کم سوئیں، اَوقاتِ سحر میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہیں جن کے مالوں میں سائل کا بھی حق ہو اور اُس کا بھی جو محروم ہے (مگر سوال نہیں کرتا)۔''

(سورۂ ذاریات : آیات ۱۷، ۱۸، ۱۹)

''جو خدا کے عہد کو پورا کریں اُس کو توڑیں نہیں اور اُن سے جوڑے رکھیں جن سے جوڑنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، جو اپنے رب سے ڈرتے رہیں اور اَندیشہ رکھیں بُرے حساب کا، جو اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں۔''

(سورۂ رعد : آیات ۲۰، ۲۱، ۲۲)

''جو پورا کرتے ہیں منت کو اور ڈرتے رہتے ہیں اُس دِن سے جس کی برائی پھیل پڑے گی۔'' (سورہ دہر : آیت ۷)

''برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہوں۔'' (سورۂ رعد آیت : ۲۲)

''جو کام کریں آپس کے مشورے سے اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' (سورۂ شوریٰ آیت : ۳۸)

''جو صبر کرنے والے سچے ہوں، حکم بجالانے والے، خرچ کرنے والے اور گناہ بخشوانے والے پچھلی رات (اَوقاتِ سحر) میں۔'' (سورۂ آل عمران آیت : ۱۷)

اِس طرح کا معاشرہ اور سماج ہر ایک اِصلاحی تحریک کا مقصد اور نصب العین ہونا چاہیے لیکن اِس طرح کے سماج کی تشکیل وتخلیق میں جو چیز بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے وہ ''اِنفاق'' ہے یعنی اپنی دولت کو خرچ کرنا، اِحسان اور لطف و کرم جب ہی ہوتا ہے جب کوئی اپنی جیب سے خرچ کرے یہی خرچ دُوسرے کو متاثر کرتا ہے، اپنی ضرورت کو پیچھے ڈال کر جب دُوسرے کی ضرورت مقدم سمجھی جائے گی اور

اُس پر عمل کیا جائے گا تو اِس کا ثمرہ جذبۂ شکر گزاری ہوگا جو شکر گزار کو جانثار بھی بنا سکتا ہے اور اِس کا اَثر وہ نظم وضبط بھی ہوگا جو جذباتِ جانثاری کے نتیجے میں پیدا ہوسکتا ہے کہ اِحسان کرنے والا قدرتی طور پر فرماں روا بن جاتا ہے جس کی حکومت دلوں پر ہوتی ہے ﴿ لِيَتَّخِذَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ تسخیر کا بہترین عمل اِحسان ہے خصوصًا وہ اِحسان جس میں اِیثار بھی ہو" اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِنْسَانِ "

(۲)

اگر اَخلاق کی دُنیا میں ایسا اِنقلاب آجائے کہ بخل حرص طمع اِنسانیت کے جوہر مانے جائیں، کمزور کی کمزوری سے فائدہ اُٹھانا دانشمندی، کاروباری مکروفریب جھوٹا پروپیگنڈہ اور نمائش فنی کمالات سمجھے جائیں، ذخیرہ اَندوزی چور بازاری اور شاطرانہ چالوں سے اِستحصال پر فخر کیا جائے، خودغرضی اور زبردستی کو مذہب اور دھرم بنالیا جائے تو اِس سے پہلے کہ ہمارے دلائل کے قلعے مسمار ہوں ہم خود ہی بحث کا دروازہ بند کردیں گے۔ لیکن اگر اِنسانیت اور شرافت کا اِتنا وجود اور نمود باقی ہے کہ گرتے کو سنبھالنا، کمزور کی مدد کرنا، بے لوث اور بے غرض ہوکر کام کرنا، دُوسرے کے فائدے کے لیے اپنے فائدے کو پیچھے ڈال دینا، سیر چشمی سخاوت فراخ حوصلگی معاملہ کی صفائی سچائی دیانتداری جیسے اَوصاف وخصائل اِنسانیت کے جوہر اور اِنسان کے کمالات مانے جاتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اِنفرادی ملکیت کو ختم کردیا جائے تو کیا کوئی ایسی صورت ہوسکتی ہے کہ یہ کمالات ظاہر ہوں اور اِنسانیت وشرافت کا سر بلند ہو ؟

بے شک اِنفرادی ملکیت ختم ہونے سے چند خرابیاں ختم ہوجائیں گی مثلاً چور بازاری ملاوٹ اور جھوٹے پروپیگنڈے کا موقع نہیں رہے گا مگر اِس خوبی کے ساتھ.....

پہلی خرابی یہ ہے کہ چور بازاری وغیرہ کا عمل اگرچہ ختم ہوجائے گا مگر وہ جذبہ جو چور بازاری یا ملاوٹ وغیرہ کا محرک ہوتا ہے ختم نہ ہوگا اور ممکن ہے وہ اپنی تسکین کے لیے کوئی دُوسری راہ نکالے جو اِس سے زیادہ شرمناک اور پُرخطر ہو۔

دُوسری خرابی یہ کہ وہ پاک جذبات جو مکارمِ اَخلاق یعنی رحم وکرم اور صداقت ودیانت کا سبب

اور محرک ہوا کرتے ہیں وہ اَفسردہ ہو کر بے نام ونشان ہو جائیں گے اور اِنسانیت ہم پلہ حیوانات بن کر رہ جائے گی۔

(۳)

ہمیں حریت اور آزادی کا بھی تجزیہ کرنا ہے جو اِنسان کا پیدائشی حق ہے اور جس کے لیے ہر قربانی نہ صرف صحیح بلکہ لازم اور واجب مانی جاتی ہے۔

جمہوریت کو عمل اور تجزیہ کی کسوٹی پر کسا گیا تو یہ ناقابلِ اِنکار حقیقت سامنے آئی کہ خود اپنی رائے اور ووٹ سے اپنے معاملات کی نکیل کو چند اَفراد کے ہاتھ میں دے دینے کا نام جمہوریت ہے، جمہوریت کو اگر جال کہہ دیا جائے تو غلط نہ ہوگا اگرچہ اِس جال کے بُننے والے جمہور ہی ہوتے ہیں اور وہی اِس جال کی رسی چند اَفراد کے حوالے کرتے ہیں، یہ جال برا نہیں بہت اچھا ہے بشرطیکہ یہ ذمہ دار اَفراد سچائی اور دیانتداری کے ساتھ دستور کی پابندی کریں اور صحیح معنی میں اپنے آپ کو جوابدہ سمجھیں لیکن اگر اِنفرادی ملکیت کو بھی اِس جال کی ڈوریوں میں لپیٹ دیا جائے تو پھر دیکھنا ہوگا کہ فرد کی حیثیت بااِختیار اور آزاد رہتی ہے یا فرد ایک مشین کا پرزہ بن جاتا ہے جو ''مشین مین'' کے اِشاروں پر گردش کے لیے مجبور ہو جاتا ہے اور حریتِ فکر یا شخصی آزادی تو دَرکنار ہوش وحواس سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

حلقہ در گردنم اَفگندہ دوست مے برو ہر جا کہ خاطر خواہ اوست [۱]

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ ''فیصلہ صرف اللہ کا۔'' (سورۂ اَنعام آیت : ۵۷)

یہی وہ ممتاز مقام اور وہ حدِ فاصل ہے جو اِسلام کے مالی نظام کو ایک طرف کیپٹیل اِزم اور سرمایہ دارانہ نظام سے اور دُوسری طرف کمیونزم، اِشتراکیت اور اِشتمالیت سے جدا کرتی ہے ؎

در کف جامِ شریعت در کف سندانِ عشق ہر ہوسناکے نہ داند جام وسنداں باختن [۲]

---

[۱] میری گردن میں میرے دوست نے حلقہ ڈال دیا ہے اور جہاں اُس کی مرضی ہوتی ہے لے جاتا ہے۔

[۲] ایک ہاتھ میں شریعت کا جام ہے دُوسرے ہاتھ میں عشق کا سندان ہے، ہر ہوسناک نہیں جانتا جام اور سندان سے کھیلنا۔

اِسلام فرد کو ملکیت عطا کرتا ہے مگر یہ گوارہ نہیں کرتا کہ کسی وقت بھی فرد اِس حقیقت کو فراموش کر دے کہ یہ مِلک درحقیقت اَمانت ہے جس کو ملکیت کی تعبیر مستعار دے دی گئی ہے۔

اِسلام دولت کی تقسیم خود کرتا ہے، تقسیم کے بعد فرد کو جو کچھ دیتا ہے وہ بھی اِس شرط پر کہ باقی ماندہ میں بھی اُس کو فیصلہ خداوندی کی تعمیل کرنی ہوگی۔ اِسلام نے فیصلہ کے اُصول مقرر کر دیے ہیں جن کے ماتحت تفصیلات مرتب کرنا اور اُن کو نافذ کرنا اُس نظام کے حوالہ ہوتا ہے جس کو ''خلافت'' کہا جاتا ہے جو ایک طرف حاکم علی الاطلاق یعنی خداوندِ عالم کی نیابت ہوتی ہے کہ وہ ذمہ داریاں پوری کرے جو رب العالمین نے اپنی مخلوق کے بارے میں اپنے اُوپر لی ہیں، مثلاً اِرشاد ہے :

﴿ وَمَا دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (سُورۂ ھود آیت : ٦)

''اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر اُس کی روزی ہے۔''

دُوسری طرف وہ بندگانِ خدا کی نیابت ہوتی ہے تاکہ وہ خدمات اَنجام پاسکیں جن کے لیے جماعتی طاقت اور فیصلہ کی ضررت ہوتی ہے۔

خلیفہ صرف مخلوق کے سامنے نہیں بلکہ خالق کے سامنے بھی جوابدہ ہے اور اِسی لیے وہ پابند ہے کہ جس طرح مخلوق کے معاملات میں وہ شوریٰ سے مشورہ کرے اِسی طرح وہ خالق کے عطا کردہ قانون اور دستور کے منشاء کو سمجھنے میں شوریٰ سے مدد حاصل کرے۔ خلیفہ کے فرائض اور شرائط وغیرہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں اَلبتہ وہ جس طرح دولت کی تقسیم کرے گا اُس کی تفصیل اِنشاءاللہ آئے گی۔

سرمایہ داری :

ایک مسلمان سرمایہ دار نہیں ہوسکتا، سرمایہ دار اپنی دولت کو خالص اپنی مِلک اور ایسی مِلک سمجھتا ہے جس کا وہ پوری طرح مالک ہے اور اُس کو من مانی کرنے کا پورا اِختیار ہے لیکن ایک مسلمان جس اِیمان کی بنیاد پر اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے وہ اپنی دولت کا مالکِ حقیقی خود نہیں بلکہ خدا کو قرار دیتا ہے اور اِس بنا پر صاحب اِیمان مسلمان پابند ہوتا ہے کہ دولت کو حاصل کرنے میں بھی مالک کی مرضی پر عمل

کرے، اُس کی اِجازت کو شرطِ اوّل سمجھے اُس کو اپنے پاس اور اپنے قبضے میں رکھنے میں بھی اُس کے اَحکام کا پابند رہے پھر خرچ بھی مالکِ حقیقی کے مقرر کردہ اُصول کے مطابق کرے۔

اُس کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی حیثیت سے اِس دولت کا مالک بھی تھا تو اِیمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اُس نے نہ صرف اپنی دولت بلکہ خود اپنی جان بھی خدا کے ہاتھ بیچ دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُس کی جان اور اُس کا مال سب کچھ خرید لیا ہے۔ (سورۂ توبہ آیت : ۱۱۰)

اِسلام کی شہنشاہیت سے نفرت :

تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے کی بات ہے کہ ایک نبی اور ایک بادشاہ کا مقابلہ تھا بادشاہ نے اہلِ مُلک کو چند طبقوں میں تقسیم کر رکھا تھا، بادشاہ کی قوم جاگیردار تھی جس نے نبی کی قوم کو غلام بنا رکھا تھا، وہ نہ صرف یہ کہ غلام قوم سے مویشی کی طرح کام لیتی تھی بلکہ اُس کی نسل کو بھی خاص حد میں محدود رکھتی تھی کہ تعداد کی زیادتی سے بھی سرکشی کا خطرہ تھا، وہ برتھ کنٹرول کے جھمیلے میں نہیں پڑتی تھی بلکہ جب ضرورت سمجھتی لڑکوں کو ذبح کرا دیتی تھی صرف لڑکیوں کو باقی رکھتی تھی کیونکہ اُن سے یہ خطرہ نہیں تھا اور گھریلو خدمت کے لیے بھی اُن کی ضرورت تھی۔ (سورۂ قصص آیت : ۴)

نبی کا مطالبہ تھا کہ غلام قوم کو اِنسانی زندگی کا موقع دیا جائے اُس کے اُوپر سے پابندیاں ہٹائی جائیں تاکہ نبی اپنی قوم کو جہاں چاہے لے جائے مگر بادشاہ اور اُس کی قوم اِس کے لیے تیار نہیں تھی کہ پشت ہا پشت کی غلام قوم کو آزاد کر کے اپنے جاگیردارانہ مفاد کو ختم کر دے۔ یہ کشمکش جاری تھی کہ بادشاہ نے اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے اپنی قوم کے سامنے یہ سوال رکھا :

> ''کیا مصر کے مُلک اور یہ نہریں جو اِس مُلک میں بہہ رہی ہیں میری نہیں ہیں اور میں بہتر ہوں یا یہ گھٹیا درجہ کا آدمی جو اپنے آپ کو خدا کا بھیجا ہوا نبی کہتا ہے ؟ اِس کے پاس عظمت اور قیادت کا کوئی نشان نہیں ہے، نہ ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہیں (جو سرداروں کا مخصوص نشان ہوتے ہیں) جس خدا نے اِس کو یدِ بیضا کا معجزہ دیا ہے اُس نے سونے کے کنگن کیوں نہیں دیے، اور ایسا کیوں نہیں کیا

کہ فرشتوں کا ایک دستہ اِس کے حوالے کر دیتا جو اُس کے جلو میں رہتا۔'' [1]

دیوتاؤں کو پوجنے والی بادشاہ کی قوم نے نہ صرف یہ کہ اُس کو مُلک کا مالک مانا بلکہ اُس نے سب کو جمع کر کے یہ اِعلان کیا کہ میں تمہارا سب سے بڑا دیوتا ''رب اَعلیٰ'' ہوں۔ (سورۂ نازعات : ۲۳، ۲۴) تو اِس (سوال) کے جواب میں بھی (قوم نے) گردنیں جھکا دیں اور آستانۂ مُلوکیت پر پیشانیاں پٹک دیں نبی اُس قوم کو خدا ترس و خدا پرست بنانا چاہتا تھا مگر قوم کی مفاد پرستی نے اِس کی اِجازت نہیں دی اُس نے نبی سے بغاوت کی اور شاہ پرست و مفاد پرست بنی رہی۔ نبی اور بادشاہ کی طویل کشمکش کا آخری نتیجہ قرآنِ پاک کے الفاظ میں یہ ہوا : ﴿فَاَغْرَقْنٰهُمْ تا لِلْاٰخِرِيْنَ﴾ (زخرف آیت : ۵۵، ۵۶)

خلاصہ یہ کہ ہم نے اُن سب کو ڈبو دیا یہ قوم (اپنی ہستی کے لحاظ سے) رفت و گزشت اور داستانِ پارینہ رہ گئی (مگر) بعد میں آنے والوں کے لیے ایک مثال (اور درسِ عبرت) بن گئی۔

اِس مثال نے جہاں اور باتیں بتائیں، مَلوکیت کے معنی اور اُس کی خصوصیات کی بھی نشاندہی کر دی۔ مَلِک یا بادشاہ اپنے آپ کو ''مالکِ ملک'' اور اپنی اَولاد کو ''وارثِ مُلک'' سمجھتا ہے بادشاہت اُس کا نصب العین ہوتا ہے اُس کے لیے وہ ہر ایک ظلم کو اپنا حق سمجھتا ہے وہ اِنسانوں کے گروہ میں پھوٹ ڈال کر اُن کو پارٹیوں میں بھی بانٹ دیتا ہے اور جب ضرورت سمجھتا ہے اِنسانوں کے جگر پاروں کو ذبح کرنے اور موت کے گھاٹ اُتارنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

وہ اِنسانوں کی گردنیں جھکانے کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اُن کے دل جھکیں اور اُس کی بادشاہت کو وہ اپنا عقیدہ بنالیں اور بہت اچھا ہو کہ وہ اِس کو اپنا معبود بنالیں اور دیوتا سمجھنے لگیں وہ کسی دستور کی پابندی کو کسرِ شان سمجھتا ہے بلکہ خود اُس کا ''منشاء'' دستور اور اُس کی ''زبان'' اُس کا قانون ہوتا ہے یہ ہے ''ملوکیتِ کاملہ'' جس کو ''فرعونیت'' سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

ملوکیت کے اِس تجزیے کے بعد کتاب اللہ کی آیاتِ بینات پر نظر ڈالو وہ کس طرح اُس کے ہر ایک جزو کی تردید کر رہی ہیں، ایک جگہ نہیں بلکہ بار بار یہ مضمون دہرایا گیا ہے۔

---

[1] خلاصہ آیات سورۂ زخرف : ۵۱ تا ۵۳

''زمین و آسمان کا مالک اللہ ہے، جو کچھ زمین و آسمان کے درمیان ہے وہ سب اللہ کا ہے۔'' (سورۂ بقرہ آیت : ۱۰۷، آلِ عمران آیت : ۱۸۹، مائدہ آیت : ۱۷، ۳۹، اعراف، زخرف، زمر، وغیرہ)

''وہ اپنا مُلک جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔'' (سورۂ بقرہ آیت : ۲۴۷)

ایک مسلمان جس طرح کلمہ شہادت اَدا کرتا ہے اِسی طرح قرآنِ پاک ایک مسلمان سے کہلاواتا ہے :

(۱) اے اللہ ! اے مالکِ ملک ! تو ہی جس کو چاہتا ہے مُلک عطا کرتا ہے جس سے چاہتا ہے مُلک نکال لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔'' (سورۂ آلِ عمران آیت : ۲۶)

(۲) وارثِ ملک، بادشاہ یا بادشاہ زادہ نہیں بلکہ زمین اور اُس سب کا جو زمین کے اُوپر ہے وارث اللہ تعالیٰ ہے۔'' (سورۂ مریم آیت : ۴۰)

''سب آسمان اور ساری زمین اللہ کی میراث ہے۔'' (سورۂ آل عمران آیت : ۱۸۰)

''بلاشبہ زمین اللہ ہی کے لیے ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اِس کا وارث بنا دیتا ہے۔'' (سورۂ اعراف آیت : ۱۲۸)

(۳) حکومت اور قیادت کی جس میں قدرتی صلاحیت ہو وہی اُس کا اہل ہوتا ہے اگرچہ مال و دولت اور دُنیوی عزت و جاہ سے خالی ہو۔'' (سورۂ بقرہ آیت : ۲۴۷)

''صلاحیت کے لیے اصل چیز علم اور جسم کی قوت ہے یعنی دماغی اور جسمانی قابلیت، نہ کہ مال و دولت اور نسل و خاندان کا شرف۔'' (سورۂ بقرہ آیت : ۲۴۷)

(۴) ''یہ صرف فطرت کی کارفرمائی ہے کہ اُس نے نوعِ اِنسان کو قدرت اور اِختیار کے ساتھ زمین میں بسایا، آباد کیا اور اُس کی زندگی کے سروسامان مہیا کیے۔'' (سورۂ اَعراف خلاصہ آیت : ۹)

(۵) ''اور اُسی نے (اے نوعِ اِنسان) تم کو بنایا نائب زمین میں۔''

(سورہ اَنعام آیت :۱۶۵)

''وہی جس نے بنایا تم کو قائم مقام زمین میں۔'' (سورۂ فاطر آیت : ۳۹)

مختصر یہ کہ اِسلام حکمرانی اور بادشاہت کو برداشت تو کیا کرتا ملوکیت کے نام سے بھی اُس کو نفرت ہے۔ آنحضرت ﷺ کا اِرشاد ہے : اَخْنَعُ الْاَسْمَاءِ عِنْدَ اللّٰہِ رَجُلٌ تُسَمَّی بِمَلِكِ الْاَمْلَاكِ [1]

(بخاری شریف کتاب الادب رقم الحدیث ۶۲۰۶)

اَلبتہ وہ اِنسان کو '' خلیفہ، نائب اور قائم مقام'' قرار دیتا ہے۔ اَنبیاء علیہم السلام کے بعد اللہ کا خلیفہ وہ ہے جس کو اللہ کے ماننے والے، خدا پرستی، خدا شناسی اور خدا ترسی (تقوی) کی بنیاد پر اپنا سربراہ بنائیں، اُس کے مشیر وہ ہوں گے جو بہتر اَخلاق و کردار اور قانونِ خداوندی کی پابندی کے معیار پر پورے اُترتے ہوں اور خدا پرستی کے نمونے ہوں، اِس ہیئتِ حاکمہ کو '' خلافت'' کہا جاتا ہے اُس کے سامنے خدا کا دیا ہوا دستورِ اَساسی ہوتا ہے جس کی روشنی میں سربراہِ خلافت فیصلہ کرتا ہے۔

جدید اِصطلاح :

بیسویں صدی کی جدت یہ ہے کہ اِس کو حکومتِ اِلٰہیہ کہا جاتا ہے مگر لسانِ نبوت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے اِس کے لیے لفظ خلافت عطا کیا تھا، حضراتِ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے اِسی عنوان کو اِختیار کیا۔ قرآن شریف میں ایسے سربراہ کو خلیفہ فرمایا گیا۔ (سورۂ ص، وغیرہ)

''حکومتِ اِلٰہیہ'' کا لفظ بے محل اور غیر موزوں بھی ہے اور خلافِ اِحتیاط بھی۔ ''خوارج'' کا ذوق وشوق یہ تھا کہ اگر اُن کو حکومت قائم کرنے کا موقع ملتا تو وہ اُس کو '' حکومتِ اِلٰہیہ'' کہتے کیونکہ ﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾ اُن ہی کا نعرہ تھا جس کے متعلق حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فیصلہ یہ تھا : اَلْکَلِمَۃُ حَقٌّ اُرِیْدَ بِھَا الْبَاطِلُ بات ٹھیک ہے مطلب غلط لیا گیا ہے۔

---

[1] اللہ کے نزدیک سب سے بدترین ناموں میں اُس کا نام ہوگا جو ''ملک الاملاک'' (شہنشاہ) اپنا نام رکھے گا۔

خلیفہ :

ایک طرف مالک الملک کا نائب ہوگا کہ اُس کے دستور و قانون کو نافذ کرے گا دُوسری جانب وہ خدا پرستوں کا نمائندہ ہوگا یعنی وہ اَکائی ہوگا جس پر پوری ملت میں پھیلی ہوئی نظامِ ملت کی شاخیں جُڑ جائیں گی اور اِس طرح کثرت میں وحدت پیدا ہو جائے گی، توحید کا تقاضا بھی یہی ہے کہ پھیلا ہوا نظام ایک ہوتا رہے جو پہلے خلیفۃ اللہ پر پھر مالکِ حقیقی پر جا کر اَکائی بن جائے۔ ﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

حضرت موسٰی علیہ السلام اور فرعون :

مضمون کے آغاز میں ایک نبی کا حوالہ دیا گیا تھا یہ نبی حضرت موسٰی علیہ السلام تھے اور بادشاہ کا نام منفتاح تھا (قصص القرآن) مگر اُس زمانہ میں ''شاہِ مصر'' کو بطورِ خطاب ''فرعون'' کہا جاتا تھا۔ قرآنِ حکیم نے نام کے بجائے ''خطاب'' کو اِستعمال کیا ہے، یہ حسن اَدب کی تعلیم ہے کہ بدترین مخالف کے لیے بھی وہ لفظ اِستعمال کیا جو اُس کے اور اُس کی قوم کے محاورات میں سب سے زیادہ باعزت نام تھا۔ اَب مُلک اور بادشاہ سے زیادہ فرعون اور فرعونیت سے نفرت اِنسانی ذہن کا پیوند بن کی ہے، اِنسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے اگر یہ نفرت ضروری ہے تو یہ قرآنِ حکیم کا طفیل ہے۔ (جاری ہے)

ماہنامہ انوار مدینہ لاہور میں اِشتہار دے کر آپ اپنے کاروبار کی تشہیر
اور دینی اِدارہ کا تعاون ایک ساتھ کر سکتے ہیں !

نرخ نامہ

بیرون ٹائٹل مکمل صفحہ	2000		اَندرون رسالہ مکمل صفحہ	1000
اَندرون ٹائٹل مکمل صفحہ	1500		اَندرون رسالہ نصف صفحہ	500

علمی مضامین سلسلہ نمبر ۱۰ (قسط:۳)

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

دورِ حاضر کے سیاسی اور اِقتصادی مسائل

اور

اِسلامی تعلیمات و اِشارات

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ ﴾

قانون یا تقسیمِ فرائض اور تعلیم و تربیت :

ملک میں غذائی بحران ہے غلہ کی کمی ہے قیمتیں دن بدن بڑھ رہی ہیں چند خاندانوں کے علاوہ پورا ملک فاقہ میں مبتلا ہے بھوک سے نڈھال ہے ساتھ ہی ملک کی سرحدوں پر دُشمن منڈلا رہا ہے حکومت کو روپیہ کی ضرورت ہے وہ ایک ٹیکس لگاتی ہے یہ ٹیکس خواہ اپنی ہی ضرورت ہے کیونکہ معاملہ اپنا اپنی قوم اور اپنے ملک کا ہے مگر لوگ اِس ٹیکس کو ظلم اور جابرانہ تاوان سمجھتے ہیں جس طرح ممکن ہوتا ہے وہ اِس ٹیکس سے بچنا چاہتے ہیں اور اِسی کو اپنا کمال سمجھتے ہیں کہ کسی بہانہ سے اپنی رقم بچالیں اور ٹیکس وصول

کرنے والوں کی آنکھ میں دھول جھونک دیں، موقع ملتا ہے تو نوجوانوں کو کسی طرح مشتعل کر کے اُن سے تخریبی کارروائیاں کرا لیتے ہیں جن سے ملک تباہ ہوتا ہے رات دن کے ہنگامے فاقہ مست قوم کو اِطمینان اور اَمن سے بھی محروم کر دیتے ہیں فائدہ صرف یہ ہوتا ہے کہ ٹیکس اَدا کرنے والے دولتمند طبقہ کے جذبۂ اِنتقام کو کچھ سکون مل جاتا ہے۔

ٹیکس وصول کرنے کے لیے حکومت کو عملہ رکھنا پڑتا ہے ایمرجنسی قانون بنانا پڑتا ہے اُس کو نافذ کرنے لیے پولیس، زائد پولیس اور کبھی فوج کی ضرورت ہوتی ہے بعض اَوقات فوجی اور دیوانی مقدمات کے بے پناہ مصارف بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں یعنی وصول کردہ ٹیکس کا بڑا حصہ وصول کرنے میں خرچ ہو جاتا ہے، اگر غذائی بحران یا کسی دُشمن کا خطرہ نہ ہو اور پُرسکون حالات میں حکومت کوئی قانون اِس لیے منظور کرے کہ عوام کی غربت دُور ہو اور اُس کی پست سطح بلند ہو اور اِس مقصد کے لیے وہ کوئی ٹیکس لگائے یا ٹیکسوں میں اِضافہ کرے تو ٹیکس اَدا کرنے والے اِس کو ظلمِ عظیم سمجھیں گے اور ممکن ہوگا تو بغاوت کر بیٹھیں گے اور اِتنی بغاوت تو وہ اپنا قانونی حق سمجھیں گے کہ اِنتخاب کے موقع پر اِس جماعت کو ووٹ نہ دیں جو اِقتصادی مساوات (اور موجودہ اِصطلاحات کی زبان میں سوشلزم) کی بنیاد ڈال رہی ہے۔

ایک سمجھدار تعلیم یافتہ اِنسانی ہمدردی کا دعوی کرنے والا طبقہ اِن ٹیکسوں کو ظلم اور جبری تاوان کیوں سمجھتا ہے اور ملک کے اَمن کو تباہ کرنے پر کیوں آمادہ ہو جاتا ہے ؟ اِس کا سبب صرف یہ ہے کہ ہم قانون کے ذریعہ اِنقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں جس اِنقلاب کا مدار صرف قانون پر ہوگا وہ لامحالہ جبر و قہر ہوگا وہ حکم اور تعمیلِ حکم کا ایک سلسلہ ہوگا جس کے ہر قدم پر اَشک آور گیس، گن، مشین گن اور ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کی ضرورت ہوگی، کوئی قوم اِس طرح کے اِنقلاب پر فخر نہیں کر سکتی، قابلِ قدر وہ اِنقلاب ہے جو خود قوم کے اَندر پیدا ہو یعنی جذبات بدلیں تصورات میں تبدیلی ہو اِنسانی ہمدردی کا نعرہ صرف فیشن نہ رہے بلکہ زندہ اور بیدار دلوں کا جذبہ بن جائے، اِس حقیقی اور اِصلاحی اِنقلاب کے لیے سب سے پہلے تعلیم اور ذہنی تربیت کی ضرورت ہے یعنی پہلے فرائض متعین کیے جائیں پھر اُن فرائض کی

اہمیت اِس طرح ذہن نشین کرائی جائے کہ جذبات ہم آہنگِ فرائض ہو جائیں یعنی فریضہ محض ڈیوٹی اور جبرًا قہرًا تعمیلِ حکم نہ رہے بلکہ قلبِ مضطرب کا مطالبہ بن جائے۔

قرآنِ حکیم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جذبات میں اِنقلاب برپا کرتا ہے، وہ حکومت کو خطاب نہیں کرتا بلکہ عوام کو مخاطَب بناتا ہے، پہلے اُن کے فرائض معین کرتا ہے پھر اُن فرائض کا اِحساس دلاتا ہے اور قانون سازی کے بجائے ذہن کی ساخت درست کرتا ہے کہ فرائض بارِ خاطر نہ رہیں بلکہ تقاضائے خاطر اور دلی جذبہ بن جائیں قرآنی تعلیمات کی پرداخت [۱] یہ ہے کہ یہ قانون نہیں بلکہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ تمام اِنسان مساوی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے :

''اے انسانو ! ہم نے تم کو پیدا کیا ایک مرد اور عورت سے اور تمہارے قبیلے اور خاندان اِس لیے کر دیے ہیں کہ آپس میں ایک دُوسرے کو پہچان سکو، (خاندان اور نسل عزت کی بنیاد نہیں ہے) اللہ تعالیٰ کے یہاں اُس کی عزت سب سے زیادہ ہے جو اَعلیٰ اَخلاق و کردار اور خدا ترسی (تقویٰ) میں سب سے زیادہ ہو۔ [۲]

نیز اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے :

''کسی قوم کے لیے درست نہیں کہ وہ کسی دُوسری قوم کا مذاق بنائے اُس کو حقیر سمجھے بہت ممکن ہے جس کو حقیر سمجھ رہے ہو وہ تم سے بہتر ہو۔'' (سورۂ حجرات : ۱۱)

آنحضرت ﷺ کی تعلیم ہے کہ :

(۱) تمام اِنسان کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں اَلنَّاسُ کَاَسْنَانِ الْمُشْطِ. [۳]

(۲) غریبوں کا پیٹ بھرنا اُن کی فاقہ مستی دُور کرنا قانون نہیں بلکہ خود تمہارا شخصی اور ذاتی فرض ہے، قیامت کے دن جب ایک گروہ کو دوزخ کی طرف دھکیلا جائے گا اور اُن سے دریافت کیا جائے گا کہ تم کو دوزخ میں کس بات نے داخل کیا تو وہ کہیں گے کہ ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ غریب کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ (سورۂ مدثر : ۴۲، ۴۳، ۴۴)

---

[۱] نکھار و سنوار [۲] سورۂ حجرات : ۱۳ [۳] شفاء قاضی عیاض

سونے چاندی کی سلاخیں جو تم نے تجوریوں میں بند کر کے رکھ رکھی ہیں اگر اُن کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے تو یہ سلاخیں دوزخ میں تاپی جائیں گی پھر اُن سے اِن جوڑنے والوں کی پیشانیاں اور کروٹیں اور کمریں داغی جائیں گی کہ یہ ہے وہ جس کو تم اپنے لیے ''کنز'' بنا کر رکھا کرتے تھے اب چکھو اپنے ''کنز'' کو جس کو تم جوڑا کرتے تھے۔ (سورۂ توبہ : ۳۴، ۳۵)

تم خود مستحقِ لعنت ہو اور خدا کی رحمت سے دُور ہو اگر بھاؤ بڑھانے کے لیے کسی جنس کو روک رکھو اور بازار میں نہ لاؤ۔ (اَنَّ الْمُحْتَکِرَ مَلْعُوْنٌ) (مُصنف عبدالرزاق رقم الحدیث ۱۴۸۹۳)

(۳) صحیح تعلیم و تربیت کے بغیر تمہاری اَولاد دوزخ کا کُندہ [۱] ہوگی لہٰذا خود تمہارا فرض ہے کہ اپنی اَولاد کو دوزخ سے بچاؤ اُس کو زیورِ علم سے آراستہ کرو اُس کی تربیت کرو اور سدھاؤ، عمل کا خوگر بناؤ، اِس فرض کو خود اَنجام دو تم خود اَنجام نہیں دے سکتے تو دُوسروں سے اِس فرض کو اَنجام دلواؤ، اِس کا نظام قائم کرو ﴿قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا﴾ [۲] اور حدیث ''اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ'' وغیرہ۔

(۴) جس طرح نماز روزہ فرض ہے ایسا ہی جہاد بھی فرض ہے جو مال سے بھی ہوتا ہے اور جان سے بھی، جو اِسلام و اِیمان کا دعویٰ کرتا ہے اُس کی بیداری یہ ہے کہ مسلسل جہاد کرتا رہے، صاحبِ مال جہاد بالمال بھی کرے گا یہ اُس کا اپنا فرض ہے کہ اِتنا خرچ وہ خود کرے کہ دفاع کی ضرورتیں پوری ہوں اور ملک کو دفاعی اِستحکام حاصل ہو ﴿جَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ﴾ [۳] ﴿وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [۴] یہ قوم کی بے حسی ہوگی کہ قانون کے ذریعہ اُس کو جہاد بالمال یا جہاد بالنفس پر آمادہ کیا جائے۔

(۵) اِسلام سیاسی اور مالی فرائض و واجبات کے سلسلہ میں اَخلاقی نقطۂ نظر سامنے رکھتا ہے۔ حقیقی جہاد یہ ہے کہ اِنسان اَعلیٰ نصب العین کے لیے اپنی خواہشات کو قربان کرے اِسی قربانی کی آخری منزل یہ ہے کہ اپنی جان بھی قربان کر دے۔

---

[۱] لکڑی و اِیندھن [۲] سورۂ تحریم : ۶ [۳] سورۂ توبہ : ۲۰ [۴] سُورۂ اَنفال : ۶۰

مالی فرائض کی بنیاد یہ ہے کہ بخل، خودغرضی، حرص وطمع جیسی بری خصلتوں سے نفسِ مومن پاک ہو، یہ نفس کی خباثت ہے کہ دولت وثروت کی محبت قومی اور ملی ضرورتوں سے آنکھ بند کردے، یہی وجہ ہے کہ مالی فرائض کو اِسلام نے ''زکوۃ'' کا عنوان دیا ہے زکوۃ کے معنٰی ہیں ''پاکی'' آنحضرت ﷺ کے لیے حضرت حق جل مجدہٗ کا اِرشاد ہے :

''(اے پیغمبر ﷺ) اِن لوگوں کے مال سے صدقہ (زکوۃ) وصول کرو کہ (بخل اور طمع کی برائیوں سے) پاک کرو اور اِن کا تزکیہ کرو (اِن کو سدھاؤ اور اِن کی تربیت کرو کہ وہ ہمدردیٔ خلقِ خدا، سیر چشمی، سخاوت اور اِمدادِ باہمی وغیرہ کے عادی ہوجائیں اور یہ باتیں اُن کی طبیعتِ ثانیہ بن جائیں) اور اِن کے لیے دُعائے خیر کرو، بلاشبہ آپ کی دُعا اِن کے لیے آسودگی ہے جس سے اِن کے دلوں کو سکون ملتا ہے (راحت پہنچتی ہے)۔'' (سورۂ توبہ : ۱۰۳)

مختصر یہ کہ تمام فرائض جو حکومت کے فرائض سمجھے جاتے ہیں اُن کو اہلِ اِیمان کی شخصی اور ذاتی فرائض قرار دیا ہے۔ اِسلامی تعلیم کے بموجب اگر اِن فرائض کا اِحساس ہوگا تو اُس کا مبارک نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت کوئی چیرہ دست طاقت نہ ہوگی جو قانون کے ذریعہ اپنی چیرہ دستی کا مظاہرہ کرے بلکہ حکومت ذریعہ تعاون ہوگی، نظامِ حکومت اِمدادِ باہمی کا ایک رابطہ ہوگا جس میں ہر فریق دُوسرے کا مددگار، دُعا گو اور اِحسان مند ہوگا، قوم اپنے سربراہ اور اُس کے عُمّال کی اِحسان منداور شکرگزار اِس لیے ہوگی کہ اِن کے ذریعہ سے اُس کے ذاتی فرائض صحیح طور پر بحسن وخوبی اَنجام پا رہے ہیں۔ سربراہ اور اُس کے کارپرداز [۱] قوم کے شکرگزار اِس لیے ہوں گے کہ قوم کے تعاون نے اُن کی ذمہ داری کی مشکلات کو آسان کردیا ہے۔ آیاتِ مذکورہ بالا کا ایک اِشارہ اِس طرف بھی ہے کہ تزکیہ اور اِطمینان وسکون کی یہ رُوح جو آنحضرت ﷺ کے دورِ مبارک ومسعود میں کارفرما ہے قومی کارکنوں، ذمہ داروں اور قوم کے اَفراد میں اِسی طرح کارفرما رہے۔

---

[۱] کارکن

آنحضرت ﷺ کا طرزِ عمل اور آپ کا کردار ایک نمونہ اور مقدس سانچہ ہے، پوری اُمت اور پوری اُمت کے ہر ایک طبقہ اور ہر ایک فرد کو اِسی سانچے میں ڈھلنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کا مندرجہ ذیل اِرشادِ گرامی اِسی طرف اِشارہ کر رہا ہے :

خِيَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ وَيُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ ، وَ شِرَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُبْغِضُوْنَهُمْ وَ يُبْغِضُوْنَكُمْ وَ تَلْعَنُوْنَهُمْ وَ يَلْعَنُوْنَكُمْ.

(مشكوة شريف كتاب الامارة والقضاء رقم الحديث : ۳۶۷۰)

''تمہارے بہترین سربراہ وہ ہیں کہ تم اُن سے محبت کرو وہ تم سے محبت کریں، تم اُن کو دُعائیں دو وہ تم کو دُعائیں دیں۔ اور بدترین سربراہ وہ ہیں کہ تم اُن سے بغض رکھو وہ تم سے بغض رکھیں، تم اُن پر لعنت بھیجو وہ تم پر لعنت بھیجیں۔''

مختصر یہ کہ قرآنِ حکیم کا اسلوب یہ ہدایت کرتا ہے کہ کسی منصوبہ کے شروع کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ذہنوں کو اِس درجہ ہموار کر لیا جائے کہ لوگ اُس فرض کو خود اپنا فرض سمجھیں، اِس بات کا پورا پورا اِحساس بلکہ جذبہ یہ ہو کہ یہ کام خود ہمارا کام اور ہمارا فرض ہے جس کو خود ہمیں بلا کسی اِمداد کے کرنا چاہیے۔ جب عوام کا یہ اِحساس اور یہ جذبہ ہو جائے گا تو وہ حکومت کے تعاون کی قدر کریں گے اور حکومت بھی اُس کام کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بہت معمولی خرچ سے بہت تھوڑی مدت میں اَنجام دے سکے گی۔

خرچ کس لیے ؟

ہم اپنے آپ کو بہت اُونچا سمجھتے ہیں اگر ہم اپنی کسی غرض کے لیے نہیں بلکہ صرف اِنسانی ہمدردی کے لیے کام کریں لیکن نوعِ اِنسانی بہت سے خانوں میں بٹی ہوئی ہے، کہیں ذات برادری کے خانے ہیں کہیں رنگ و نسل کی دیواریں کھڑی ہوئی ہیں، ہمارا قدم اِن دیواروں کو پھاند کر آگے بڑھتا ہے تو کہیں پہاڑوں کے جغرافیائی حصار اِس کو روک دیتے ہیں، کہیں سمندروں کے طوفان اور کہیں دریاؤں کی موجیں رُکاوٹ بن جاتی ہیں، ہم اِن کو قدرتی حدود سمجھتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمدردی

نوعِ انسان کے اُچھلنے کودنے والے جذباتِ وطنیت اور قومیت کی زنجیروں میں جکڑ بند ہو جاتے ہیں اور اِس طرح خدا پرستی کے نام پر نہ سہی قوم پرستی کے نام پر ہر قوم کا شِوالا[1] الگ بن جاتا ہے اور جس مقابلہ اور جنگ و جدال کے لیے مذہب بدنام ہے وہ قومیت اور نیشنل اِزم کے نام پر شروع ہو جاتا ہے اور وہ خون خرابہ ہوتا ہے جس سے ماضی اور خصوصًا ترقی کے دعویدار ''حال'' کی تاریخ کا ہر ایک ورق رنگین بلکہ ملوث اور متعفن ہے (معاذ اللہ)۔

اِسلام قومیت کے نام پر کسی برتری کو گوارا نہیں کرتا، اِنتہاء یہ کہ وہ ایسے لوگوں کو آخرت کی فلاح اور کامیابی سے محروم قرار دیتا ہے جن کی جدو جہد کا نصب العین اپنی قوم کو برتر بنانے تک محدود رہے، قرآن کا اعلان ہے۔

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (سُورة القصص : ۸۳)

''(یہ پچھلا گھر، عالمِ آخرت) ہم اُن کے لیے خاص کرتے ہیں جو دُنیا میں بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔''

قرآنِ حکیم کی ہدایت ہے :

''کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ بنائے بہت ممکن ہے جس کا مذاق بنا رہے ہو وہ تم سے بہتر ہو۔'' (سورۂ حجرات : ۱۱)

نیز اِرشاد ہے :

''یہ ہرگز نہ ہونا چاہیے کہ کسی قوم کا بغض تمہیں اِس بات پر آمادہ کر دے کہ تم عدل و اِنصاف کے راستہ سے ہٹ جاؤ۔ (ہر حال میں عدل کرو) اِنصاف سے کام لو۔'' [2]

پس اِسلام اِس کی بھی اِجازت نہیں دیتا کہ آپ کی جدو جہد آپ کا خرچ لِوَجْهِ الْقَوْمْ ہو۔ آفاقیت کے دائرہ کو سب سے زیادہ وسیع مانا جاتا ہے مگر اِسلام اِس وسیع دائرہ میں بھی وسعت پیدا کرتا ہے

---

[1] مندر، عبادت گاہ [2] سورۂ مائدہ : ۸

اور ہمدردی کو صرف نوعِ اِنسانی تک محدود نہیں رکھتا اِس کے نزدیک ہر ایک جاندار ہمدردی کا اُتنا ہی مستحق ہے جتنا کوئی ہمرنگ وہم نسل اِنسان مستحق ہے جبکہ اِس کی ہمدردی اور خدمت کا دائرہ اِتنا وسیع ہے تو وہ اِس کی اِجازت نہیں دے سکتا کہ خرچ کرنے کا نصب العین ہمدردی نوعِ اِنسانی سے آگے نہ بڑھے، ''فی سبیل اللہ'' کو سب سے وسیع دائرہ اور سب سے اُونچی سطح قرار دیتا ہے، نہ صرف اِنفاق اور جود وعطا بلکہ ہر ایک فعل خود غرضی سے پاک ہونا چاہیے، اگر اپنا کوئی مفاد سامنے ہے تو ایک طرح کی خود پرستی ہے۔ خود پرستی، قوم پرستی یا وطن پرستی سے بالاتر ''خدا پرستی'' ہے لہٰذا ہر ایک جدو جہد اور ہر ایک سعیِ عمل کا نصب العین خدا پرستی ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات ہے اور اَرحم الرحمین ہے، وہ کسی خاص گروہ یا طبقہ کا نہیں بلکہ پوری کائنات کا پروردگار ہے، وہ رب العالمین ہے، اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے یہ معنٰی ہیں کہ آپ کا عمل اُس کی تمام مخلوق کے لیے ہو، اُس کی اِفادیت کسی خاص طبقہ تک محدود نہ رہے بلکہ رب العالمین کے ہر ایک پیدا کردہ اور ہر ایک پروردہ کے لیے عام ہو۔

اِسلام اِسی وسعتِ نظری کی تعلیم دیتا ہے اور اِس کو ضروری گردانتا ہے، اِس کے علاوہ تقاضائے توحید بھی یہی ہے کہ علم بردارِ توحید کا ہر ایک عمل اور فعل اُس ذاتِ واحد کے لیے ہو جس کا یہ ہے اور جس کا ہو گیا۔

﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانعام : ۱۶۳)

''میری نماز، میری قربانیاں، میرا جینا و میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔''

خدا پرست حکومت کو جو ٹیکس اَدا کریں اُس کا نصب العین بھی لوجہ اللہ ہونا چاہیے چنانچہ اِن ٹیکسوں کو قرآنِ حکیم نے صدقہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ (سورۂ توبہ آیت ۶۰، ۱۰۳ وغیرہ)

شخصی حکومت ، ملوکیت اور جمہوریت :

شخصی حکومت اور ملوکیت میں فرق کرنا ہوگا اور یہ بات بھی قابلِ تسلیم نہیں ہے کہ جمہوریت ہر حال میں شخصی حکومت سے بہتر ہے۔

نظامِ حکومت کی کامیابی یہ ہے کہ ملک خوشحال، ترقی پذیر اور سماج و معاسرہ پُر اَمن و مطمئن ہو اگر جمہوریت اِس مقصد کو پورا نہیں کرتی تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ صرف الفاظ کی مالا جپی جائے اور خلقِ خدا کو مصیبت میں ڈالا جائے۔

اگر ایک حکمران مسلمہ دستور اور مجلس شورٰی کے فیصلوں کا اِتنا پابند ہے جیسا کسی جمہوریت کا وزیر اعظم پارلمینٹ کے فیصلوں کا پابند ہوتا ہے تو اُس کی بادشاہت اِسی حد تک قابلِ مذمت رہ جاتی ہے کہ اُس نے ملک کو وراثت قرار دے رکھا ہے اُس کی ملوکیت کو فرعونیت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ اِسلام اِس درجہ کی ملوکیت کو بھی پسند نہیں کرتا آنحضرت ﷺ نے اِس کو بھی ''ملکِ عضوض'' (کاٹ کھانے والی حکومت) فرمایا ہے لیکن اگر قوم حسنِ اِنتخاب کی صلاحیت سے محروم ہے تو اِسلام ایسے بادشاہ کے خلاف بغاوت کا حکم بھی نہیں دیتا۔

اِس تاریخی حقیقت کا اِنکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اِسلام جس طرح ملوکیت کی ہر ایک قسم سے بیزار ہے، مسلمانوں کے عمل نے بادشاہت سے بیزاری کا ثبوت نہیں دیا مگر اِس کا سبب اَرباب حل وعقد اور رہنمایانِ ملت کی بزدلی، بے حسی یا موقع پرستی نہیں بلکہ اِس کا بڑا سبب یہ ہے کہ اِبتداء کے چند خلفاء کے بعد ایسا دور کبھی نہیں آیا کہ قرآنی اُصول یعنی بہتر اَخلاق و کردار (تقوٰی) کے معیار پر اِنتخاب کیا جاتا۔ دُوسری طرف مسلمان بادشاہوں کی غالب اکثریت وہ رہی ہے جو مطلق العنانی کے باوجود قانون کی پابند رہی، فوجی اُمور میں بیشک وہ آزاد رہا کرتے تھے مگر عدالت میں بادشاہ اور عام باشندۂ ملک کی حیثیت یکساں ہوتی تھی۔

جماعت اور پارٹی کے مینوفسٹو [1] کی بنیاد پر اِنتخاب بیشک یورپ کی اِیجاد ہے مگر ایک دو ملک کو چھوڑ کر پوری دُنیا کے تمام ممالک کا تجربہ یہ ہے کہ مینوفسٹو کا خوابِ شیریں (سندر سپنا) شاذ و نادر ہی شرمندۂ تعبیر ہوتا ہے، اِنتہا یہ ہے کہ ''اِلیکشنی وعدہ'' اور ''دھوکہ دہی'' کو ہم معنٰی سمجھا جاتا ہے، یہ بات فراموش نہ ہونی چاہیے کہ ایک پارلیمنٹ یا کیبنٹ فرعون نے بھی بنا رکھی تھی قرآنِ حکیم نے اِس کو لفظ

[1] Menifesto (منشور)

﴿مَلَأ﴾ [1] سے تعبیر کیا ہے۔ [2]

مگر بدقسمتی یہ تھی کہ اِس ﴿مَلَأ﴾ (پارلیمنٹ یا کیبنٹ) کا مذہب ''فرعون پرستی'' تھا اِسی پارلیمنٹ نے فرعون کو مشتعل کرنے کے لیے کہا تھا :

''کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) اور اُس کی قوم کو چھوڑ دیں گے کہ ملک میں بدامنی پھیلائیں اور آپ کو اور آپ کے معبودوں (دیوتاؤں) کو ترک کر دیں۔''

جس کا جواب فرعون نے دیا تھا :

''ہم اِن کے لڑکوں کو تِکہ بوٹی کر دیں گے اور اُن کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے (کہ ہماری باندیاں بن کر رہیں)، ہمیں اِن کے اُوپر پورا قابو ہے۔''

اِس کے جواب میں حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا :

''خدا سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو، بلاشبہ ملک اللہ کا ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اِس کا وارث بنا دیتا ہے (وہ تم کو بھی وارثِ اَرض بنا سکتا ہے) اَنجام کار اُن ہی کے لیے ہوگا جو متقی ہوں گے۔'' (سورۂ اَعراف آیت: ۱۲۵ تا ۱۲۸)

مطلب یہ ہے کہ اگر پارلیمنٹ یا اُس کی اکثریت کا مزاج فِسطائی [3] ہو تو یہ ''جمہوریت'' بھی ''فرعونیت'' ہے۔

مسلمان بادشاہ کا کردار :

ہم نہ بادشاہت کے حامی ہیں نہ بادشاہوں کے مدح خواں مگر جب مَقطَع [4] میں بات آ گئی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظاہر کر دیں کہ مسلمان بادشاہوں کو کس بات کی تلقین کی جاتی تھی اور تاریخ شاہد ہے کہ جو بادشاہ کامیاب مانے گئے ہیں وہ اِس تلقین پر عمل بھی کرتے تھے۔

---

[1] ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى.....﴾ (سُورۃ البقرہ : ۲۴۶)

[2] وَالْمَلَاُ جَمَاعَةٌ يَّجْتَمِعُوْنَ عَلٰى رَأْيٍ. (المفردات) [3] FASCIST فاشزم کا پیروکار، فسطائیت، سرمایہ داروں کی جارحانہ آمریت کا جمہوریت دُشمن نظریہ (فیروز اللغات)۔ محمود میاں غفرلہٗ [4] قصیدے کا آخری شعر

اِمام اَبوحنیفہؒ اگر چہ خلفائے عباسیہ کی نظر میں معتوب رہے لیکن تقریباً نصف صدی تک اِنقلابی خلفشار کے بعد جب طالع اور اِقبال نے زمامِ اِقتدار خلفاءِ عباسیہ ہی کے حوالہ کردی اور یہ واضح ہوگیا کہ اب اِنقلاب کی کوشش کرنا سراسر فساد فی الارض ہے تو اِمام اَبوحنیفہؒ کے بلند پایہ شاگرد اِمام اَبو یوسفؒ نے منصبِ قضاء قبول کرلیا پھر خلیفۃ المسلمین ہارون الرشید کی فرمائش پر نظامِ مالی کا وہ دستورِ اَساسی مرتب کیا جو ''کتاب الخراج'' کے نام سے مشہور ہے، اِس کتاب میں تمہید کے سولہ صفحات ہیں اُن میں اَحادیث رسول اللہ ﷺ اور اَقوالِ صحابہ وتابعین سے اَخذ کرکے وہ اُصول اور نصیحتیں درج کی ہیں جو مملکت کے سربراہ کے لیے ضروری ہیں اُن کے چند اِقتباسات پیش کیے جارہے ہیں۔

☆ جس عمارت کی بنیاد تقوی پر نہ ہو وہ سربلند نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ اُس کو جڑ سے اُکھاڑ ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو قیادت آپ کو عطا فرمائی ہے ہرگز ایسا نہ ہو کہ آپ اُسے برباد کرڈالیں۔

☆ آج کے کام کل پر مت رکھو، آرزوئیں بہت ہوتی ہیں مگر فرشتہ موت اُن سے پہلے آپہنچتا ہے، موت سے پہلے عمل کرلو، موت کے بعد کوئی عمل نہیں ہوسکتا۔ آپ ٹیڑھے نہ چلیں پھر رعیت بھی ٹیڑھی راہ اِختیار کرلے گی اِس کا بار آپ پر ہوگا۔

☆ آخرت کے کام کو دُنیا کے کام پر مقدم رکھو، آخرت سدا رہنے والی ہے دُنیا ختم ہورہی ہے۔ تمام اِنسانوں کو حکمِ خداوندی کے بارے میں ایک سطح پر رکھو وہ اَجنبی ہوں یا رشتہ دار۔ خدا کے معاملہ میں کسی کی ملامت کا خوف ہرگز مت کرو، تقویٰ اور پرہیزگاری دل سے ہوتی ہے زبان سے نہیں دل میں خدا کا خوف پیدا کرو۔ دُنیا کی زندگی خواہ کتنی ہی طویل ہو مگر جب میدانِ حشر میں خدا کے سامنے کھڑا ہونا ہوگا تو ایسا معلوم ہوگا کہ دُنیا میں صرف ایک صبح اور ایک شام قیام ہوا تھا۔

☆ قیامت کے روز بارگاہِ خداوندی میں پہلے چار چیزوں کا حساب دینا ہوگا اُس کے بعد بندہ عدالت کے کٹہرے سے نکل سکے گا۔

(۱) جو مال تمہارے پاس تھا وہ کہاں سے حاصل کیا تھا اور کس کام میں صَرف کیا ؟

(۲) جو تم جانتے تھے اُس پر کیا عمل کیا ؟

(۳) جو عمر ملی تھی وہ کن باتوں میں ختم کی ؟

(۴) جو جسم تمہیں میسر تھا کن کاموں میں اِس کو بوسیدہ کیا ؟

☆ قوم کے ذمہ داروں، اُولی الامر کو اللہ تعالیٰ نور عطا فرماتا ہے قوم اُس نور سے فیضیاب ہوتی ہے اُس نور کی روشنی یہ ہے کہ اللہ کی مقرر کردہ حد بندیاں صحیح طور سے قائم رکھی جائیں، حق داروں کو اُن کے حقوق پورے پورے ملیں اور آنحضرت ﷺ کے طریقوں اور سنتوں کو جاری کیا جائے۔ یہ وہ خیر ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گی اُس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔ حاکم کا ظلم رعیت کو تباہ کر دیتا ہے، نا اہل اور غیر معتمد لوگوں کو کام پر لگانے سے رعیت برباد ہو جاتی ہے۔ کامیابی یہ ہے کہ دن اور رات کا کوئی حصہ بھی ایسا نہ گزرے جس میں زبان اللہ کے ذکر سے متحرک نہ ہو، تسبیح وتحلیل اور دُرود سے ہمیشہ زبان تر رہنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ محبوب چیز اِصلاح ہے اور سب سے مغضوب بات یہ ہے کہ اِنسان فساد پھیلائے۔

☆ آنحضرت ﷺ کا اِرشادِ گرامی ہے کہ قیامت کے روز قریب تر اور محبوب تر اِمام عادل ہوگا اور سب سے زیادہ قابلِ نفرت اور سب سے مغضوب اِمام ظالم ہوگا۔

☆ سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب زخمی ہو کر زندگی سے مایوس ہو گئے تو آپ نے ہونے والے خلیفہ کے لیے چند س وصیتیں تحریر کرائی تھیں اُن میں یہ وصیت بھی تھی۔

(۱) جن (غیر مسلموں [۱]) سے معاہدہ ہوا ہے وہ اللہ اور اُس کے رسول کی پناہ میں ہیں، اِس پناہ میں رخنہ نہ ڈالا جائے جو معاہدہ ہوا ہے پورے اِحتیاط سے اُس پر عمل

[۱] غیر مسلم اَقلیتیں

کیا جائے ،اُن پر کوئی حملہ کرے تو اُن کا دفاع ہمارا فرض ہے اور خود اُن کو اُن کی طاقت اور برداشت سے زیادہ کوئی تکلیف نہ دی جائے۔

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو محصول وصول کرنے کے لیے (تحصیلدار) مقرر کیا تو اُن کو ہدایت فرمائی کہ محصول کے سلسلے میں سردی یا گرمی کا لباس فروخت نہ کرنا اور اُن کی گزر کا جو غلہ ہے اُسے نہ فروخت کرنا، کھیتی کے لیے بھی مویشی کی ضرورت ہے وہ نہ فروخت کرنا، مار پیٹ یا کھڑا کرنے کی سزا نہ دینا، خانگی ضرورت کا سامان فروخت نہ کرنا، کیونکہ شریعت کا حکم یہ ہے کہ ضروریات سے جو فاضل ہو اُس کو وصول کریں۔ یہ صاحب جن کو مقرر کیا تھا اُنہوں نے عرض کیا کہ حضرت میں نرمی برتوں گا تو جیسے جا رہا ہوں ویسے ہی واپس آجاؤں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں، چنانچہ یہ صاحب گئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہدایات کی پابندی کی مگر جیسے گئے ویسے ہی واپس آگئے۔ [1]

جب سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اِن سے فرمایا تھا اگر آپ چاہتے ہیں کہ اپنے پیشرو بزرگ (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) اور آنحضرت ﷺ کا تقرب حاصل کریں تو آپ کا کرتہ پیوند لگا ہونا چاہیے، تہبند اُونچا رہے، چپل اور موزوں میں ٹکی لگی ہو، دُنیا کی آرزو نہ ہو اور پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤ۔

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو راتوں کو رویا کرتے تھے کہ دُور دراز گوشوں میں خدا کی مخلوق پھیلی ہوتی ہے جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور مجھے اُن کی حالت کی خبر نہیں، خدا کو کیا جواب دُوں گا۔

بالاختصار یہ ہونا چاہیے مسلمان بادشاہوں کا کردار۔ ۞ ۞ ۞ (جاری ہے)

[1] مگر اِس جیسے عمل کے غیر معمولی سیاسی فوائد جو حکومتِ وقت کو حاصل ہوئے کسی پر مخفی نہیں ہیں۔ محمود میاں غفرلہٗ

علمی مضامین سلسلہ نمبر ۱۰ (قسط:۴)

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

دورِ حاضر کے سیاسی اور اِقتصادی مسائل

اور

اِسلامی تعلیمات و اِشارات

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ ﴾

۞ ۞ ۞

قومی مصارف اور ذرائع آمدنی..... کتاب اللہ کے اِشارات :

قرآنِ حکیم کا یہ کمال ہے کہ اُس نے جہاں صَرف (خرچ) کا کوئی مَد بیان کیا ہے تو ساتھ ہی اُس کی آمدنی کی طرف بھی اِشارہ کر دیا ہے چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں :

نیکی :

(۱) دُنیا کے ہر ایک مذہب کا دعوی یہ ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو نیک بنانا چاہتا ہے

قرآنِ حکیم نیکی کی تعریف اِس طرح کرتا ہے کہ مالی نظام کے اُس حصہ کو جو فرد کی معیشت اور معاشرت سے تعلق رکھتا ہے اُس کو بھی وہ نیکی کا ضروری باب گردانتا ہے کہ جب تک اُس پر عمل نہ ہو لفظِ ''نیکی'' بے معنٰی ہے اور کوئی فرد خواہ کتنا عبادت گزار ہو کتنا ہی شب بیدار ہو مسلسل روزوں پر روزے رکھتا ہو رات دن تسبیح جپتا ہو، جب تک نیکی کے اِس باب کو عمل میں نہیں لائے گا وہ صالح اور نیک نہیں ہوگا۔

سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۷۷ کا خلاصہ یہ ہے :

''نیکی اور بھلائی یہ نہیں ہے کہ (عبادت کے وقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لو یا پچھّم کی طرف (اور ظاہری رسوم کی پابندی کرو) نیکی یہ ہے کہ اپنی اِصلاح اور شخصیت کی تعمیر اِس طرح کرو :

(الف) اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، آسمانی کتابوں پر، خدا کے تمام نبیوں پر تمہارا اِیمان ہو (عقیدہ صحیح ہو جو بنیادی شرط ہے)۔

(ب) اور اُس وقت جبکہ (اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورتیں موجود ہوں، اُن کی ذمہ داریاں تم پر لازم ہوں جن کے پورا کرنے کے لیے خود تمہیں) مال محبوب ہو، تم یہ محبوب مال رشتہ داروں یتیموں مسکینوں مسافروں کی اِمداد سائلوں کا سوال پورا کرنے اور گردنوں کو چھڑانے میں خرچ کرو۔

(ج) پورے آداب وشرائط کے ساتھ نماز قائم کرو۔

(د) زکوٰۃ اَدا کرو۔

(ر) اپنی بات کے پکے رہو، جب قول واِقرار کرلو تو اُس کو پورا کرو۔

(ھ) اور تنگی اور مصیبت کی گھڑی ہو یا خوف و ہراس کا وقت، ہر حال میں صبر (ضبط وتحمل اور اِستقلال) سے کام لو، یہی ہیں جو نیکی کی راہ میں سچے ہیں اور یہی ہیں متقی اور پرہیزگار۔''

اِس آیت میں خرچ کی دو مدیں بیان کی گئی ہیں :

(۱) ضرورت مندوں کی اِمداد، وہ بالغ ہوں یا نا بالغ (یتیم) رشتہ دار ہوں یا اَجنبی، مسافر (وطن یا غیر وطن کے) یا سائل۔

(۲) گردن چھڑانا یعنی غلام آزاد کرنا یا مقروض کا قرض اَدا کرنا۔

خرچ کی طرح آمدنی کی بھی دو مدیں بیان فرمائی گئی ہیں :

(۱) زکوۃ (۲) عطیہ

زکوۃ کی رقم ضرورت مندوں پر خرچ کی جائے گی اَلبتہ ایسے رشتہ دار جن کا نفقہ زکوۃ دینے والے پر واجب ہوتا ہے (مثلاً اَولاد یا ماں باپ) اِن کو زکوۃ کی رقم نہیں دی جائے گی، میاں بیوی بھی ایک دُوسرے کو زکوۃ نہیں دے سکتے (مفتٰی بہ)

زکوۃ کی رقم کسی بتا دلہ میں نہیں دی جاسکتی لہٰذا آزاد کرنے کے لیے جو غلام خریدا جائے گا اُس کی قیمت اپنے پاس سے دینی ہوگی جس کو ہم نے عطیہ کہا ہے اَلبتہ اِس سے اِسلام کا مزاج معلوم ہو گیا اُس کی نظر میں گردن چھڑانے کو وہ اہمیت حاصل ہے کہ اِس کو نیکی کے مفہوم میں داخل اور خرچ کی ضروری مَدات میں شامل کیا گیا ہے۔

اِن مَدات کے لیے ضروری نہیں ہے کہ نظامِ حکومت کو واسطہ بنایا جائے، اگر مسلمانوں کی حکومت نہ ہو یا مسلمانوں کی حکومت مطالبہ نہ کرے تب بھی نیک کردار ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اِن مَدات پر خرچ کیا جائے یعنی جس طرح نماز روزہ یا خود اپنے اہل وعیال کا نفقہ ہر مسلمان پر ہر حال میں فرض ہے خواہ وہ دارُ الاسلام میں ہو یا کسی غیر مسلم حکومت کے ماتحت زندگی گزارتا ہو ایسے ہی خرچ کے یہ مَدات بھی مسلمانوں کے لیے لازمی فرائض میں داخل ہیں۔

دُوسری ضرورتیں اور مَداتِ آمدنی :

غریبوں کا پیٹ بھر دینے، ضرورت مندوں کی ذاتی اور شخصی ضرورتیں پوری کر دینے، غلاموں کی گردن چھڑا دینے یا مقروضوں کا قرض اَدا کرنے سے ترقی پذیر قوم وملت کی تمام ضرورتیں پوری نہیں ہو جاتیں۔

اُمتِ اسلامیہ جس کا فرض منصبی یہ ہے کہ (حق وصداقت کی علمبردار بن کر پوری دُنیا کو اِس حقیقت کا مشاہدہ کرائے کہ وہ دستورِ اَساسی اور کانسٹی ٹیوشن یا مینی فسٹو جس کو ''کلمۃ اللہ'' کہنا چاہیے، صرف اُسی کو یہ حق حاصل ہے کہ سب سے بلند و بالا رہے) وہ اپنے اِس نصب العین میں کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک رُوحانی عظمت و اِحترام، اَخلاقی اَقدار و برتری کے ساتھ مادّی ترقیات میں بھی اِس کا قدم سب سے آگے اور اِتنا آگے ہو کہ دُوسرے قدم وہاں تک پہنچتے پہنچتے تھک جائیں۔

اَفراد کی ہیئتِ اِجتماعی کا نام ''ملت'' ہے۔ یہ ہیئتِ اِجتماعی ترقی کے قطب مینار پر اُسی وقت پہنچ سکتی ہے جبکہ اُس کے اَفراد کی غالب اکثریت ترقی کے تمام زینے طے کر چکی ہو، اگر مسلمان اِرشادِ ربانی ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ کے مضمرات کو اپنا جذبہ عمل بنالیں تو لامحالہ اُن کی تعلیم کا میدان دُوسری قوموں کے تعلیمی میدانوں سے بہت زیادہ وسیع ہوگا اور اِس بنا پر اُن کے تعلیمی مصارف بھی دُوسری قوموں کے مقابلہ پر بہت زیادہ ہوں گے۔

اِس اِجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم کے لیے صرف وہ اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں کافی نہیں ہوں گی جن میں عصری تعلیم، سائنس، کیمسٹری، فلسفہ، طبعیات، فلکیات یا ڈیفنس اور دفاعی وجنگی فنون کی تعلیم دی جاتی ہو اور اِن کا ماہر بنایا جاتا ہو بلکہ اُن کو ایسی درسگاہوں، تربیت گاہوں اور ایسے دارُالعلوموں کی بھی ضرورت اور اُتنی ہی شدید اور بنیادی ضرورت ہوگی جہاں مذہبی تعلیم اور اَخلاق اور رُوحانیت کی تربیت اور تکمیل ہوسکے تاکہ مسلمان نوجوانوں کا طبقہ جس طرح عصری علوم اور فنونِ جدید کا ماہر ہو وہ خداشناسی، حقیقت شناسی، اور اَعلیٰ اَخلاق و کردار کا بھی ایسا کامل نمونہ ہو کہ وہ ﴿شُهَدَاءُ عَلَى النَّاسِ﴾ بن سکے اور خداوندِ عالم کی حجت پوری ہوسکے۔ بالفاظِ دیگر اگر کمیونسٹ رُوس کے بجٹ کا ساٹھ فیصدی تعلیم پر صَرف ہوتا ہے تو خلافتِ اِسلامیہ کو اپنے بجٹ کا اَسی فیصد تعلیم کے لیے مخصوص کرنا پڑے گا تاکہ دُنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی ہوسکے اور دُنیا اِمام غزالی اِبن رُشد اور رازی جیسے ائمہ علوم وفنون کے فیوض و برکات سے بہرہ یاب ہوسکے۔

یہ کتنی رقم ہوگی، کہاں سے فراہم ہوگی ؟ قرآنِ حکیم اِس کا جواب دینے سے پہلے یہ تحقیق کرتا ہے کہ

یہ ضرورت کس کی ہے ؟ ضرورت مند کون ہے ؟

تعلیم وتربیت اور ترقی، فرد کی ضرورت ہے یا اللہ تعالیٰ کی ؟

بعنوانِ دیگر فرد کی ضرورت ہے یا حکومت کی ؟

اپنی اور اپنی اَولاد کی ترقی کی ضرورت بڑے سے بڑے دولت مند اَمیر کبیر کو بھی ایسی ہے جیسے معمولی آدمی کو، اِس ضرورت کے لحاظ سے اَمیر کبیر اور بڑے سے بڑا دولت مند بھی حاجت مند اور قرآنِ حکیم کے الفاظ میں ''فقیر'' ہے۔

تعلیمی ضرورتوں کے علاوہ اور بھی ضرورتیں ہیں جن کا تعلق پوری قوم کی تعمیر وترقی سے ہے مثلاً سڑکیں، نہریں، پُل، مسافر خانے اور ترقی پذیر دور کے لحاظ سے ذرائع مواصلات ومرسلات (ڈاک، تار، بحری اور ہوائی سروسیں وغیرہ) مگر یہ تمام ضرورتیں خود قوم کی ضرورتیں ہیں خدا کی ضرورتیں نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کا اِحسان یہ ہے کہ وہ اِن مَدات پر خرچ کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور اِن تمام رقوم کو جو اِن مدات کے لیے عطا کی جائیں اپنے ذمہ قرض مان لیتا ہے اور اِس مدد کو خود اپنی مدد قرار دیتا ہے اور بڑی بختگی سے وعدہ فرماتا ہے۔

﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ (سُورۂ حج آیت :۴۰)

''یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور مدد کرے گا اُن کی جو اللہ کی مدد کرتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ قوت رکھنے والا سب پر غالب ہے۔''

اِن وسیع اور ہمہ گیر ضرورتوں کو سامنے رکھیے پھر سورۂ محمد (ﷺ) کی آخری آیتوں کا مطالعہ کیجیے اِن آیتوں کے مفہوم اور منشاء پر غور کرتے ہوئے جیسے جیسے صَرف کی مَدات آپ کے سامنے آئیں گی مَدات کی آمد کا سراغ بھی مِل جائے گا۔ آیات کا مضمون یہ ہے :

''(اللہ تعالیٰ اہلِ ثروت کو خطاب فرما رہے ہیں) دیکھو دیکھو، تم ہی کو خاص تم ہی کو دعوت دی جا رہی ہے کہ راہِ خدا میں خرچ کرو، پھر تم میں سے کچھ وہ ہیں جو (خرچ نہیں کرتے) بخل کرتے ہیں یاد رکھو جو بخل کرتا ہے وہ خدا سے نہیں خود اپنے آپ سے بخل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے وہ بے نیاز ہے (یہ تعلیمی تعمیری ترقیاتی اور دفاعی ضرورتیں خود تمہاری ضرورتیں ہیں جن کی بناء پر تم اگر دولت مند ہو تب بھی) فقیر اور حاجت مند ہو، اِس حقیقت کو سمجھو اور پورے حوصلہ سے خرچ کرو، (اور اگر خرچ سے) منہ موڑتے ہو (تو یقین رکھو تباہی اور بربادی تمہارا اِنتظار کر رہی ہے، مگر بربادتم خود ہو گے خداوندِ عالم کی ذات باقی اور بے نیاز ہے اُسے کبھی کوئی زوال نہیں آ سکتا، تم فنا ہو جاؤ گے) تو اللہ تعالیٰ کسی دُوسری قوم کو تمہارا بدل کر دے گا، وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔'' (سورۂ محمد آیت : ۳۸)

تناسب :

سالانہ بچت کا ڈھائی فیصدی جس کو'' زکوۃ'' کہا جاتا ہے وہ فقیروں یتیموں بیواؤں اور مسکینوں کا مخصوص حصہ ہے اِس میں سے اُن تعمیری اور تعلیمی مَدات پر خرچ نہیں کیا جائے گا، اِن مدات کے لیے اَصحابِ حیثیت کو اور رقم فراہم کرنی ہوگی، اِس کا تناسب کیا ہو ؟ یہ تناسب ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے خود اہلِ ثروت طے کریں یا وہ معتمد یا اہل الرائے طے کریں جو عہدِ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے عرفاء [1] کی طرح اپنے قبیلے یا اپنی آبادی کی نمائندگی کرتے ہوں، خرچ کرنے والوں اور بخل کرنے والوں کو قید و بند اور ضبطی جائیداد جیسی کسی قانونی سزا کی دھمکی نہیں دی گئی، اَلبتہ نتیجے سے آگاہ کر دیا گیا ہے وہی دھمکی ہے، تنبیہ کر دی گئی ہے کہ بخل کا نتیجہ خود اُن کے اپنے حق میں بخل ہوگا، اِس سے زیادہ کیا بخل ہو سکتا ہے کہ اِنسان خود اپنے ہاتھوں اپنا مستقبل خراب کر لے اور چند ٹکے بچانے کی خاطر عام تباہی اور بربادی مول لے لے۔ یہی تنبیہہ اور آگاہی دُوسرے موقع پر مختصر اَنداز میں دی گئی ہے :

[1] چوہدریوں

''راہِ خدا میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' [1]

حکومتِ اِسلامیہ، پوری دُنیا کی قیادت :

ممکن ہے اِس کو درازنفسی سمجھا جائے مگر حقیقت یہی ہے کہ قرآنِ حکیم نے اُمتِ اِسلامیہ کے جو فرائض تجویز کیے ہیں مسلمان اُن سے اُسی وقت عہدہ برا ہو سکتے ہیں جب پوری دُنیا کی قیادت اور بین الاقوامی لیڈرشپ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اِسی لیے قرآنِ حکیم نے صرف اِتنی طاقت کو کافی نہیں سمجھا جو مُلک کی حفاظت کر سکے بلکہ حکم یہ ہے :

''جہاں تک تمہارے بس میں ہے قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دُشمنوں کے مقابلہ کے لیے ایسا ساز و سامان مہیا کیے رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے دُشمنوں اور خود اپنے دُشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو، نیز اُن لوگوں کے سوا اَوروں پر بھی جن کی تمہیں خبر نہیں، اللہ اُنہیں جانتا ہے۔'' (سورۂ اَنفال آیت : ۵۹)

تمام دُنیا کی قیادت مسلمانوں کے لیے اَجنبی بات نہیں ہے، کم و بیش ایک ہزار سال تک مسلمانوں کو یہ منصب حاصل رہا ہے ساتویں صدی ہجری (تیرھویں صدی عیسوی) میں مشہور مورّخ اِبن خلدون نے تنبیہ کی تھی کہ پرتگیز بھی اپنی طاقت بڑھا رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کے مقابلہ پر آجائیں۔ (مقدمہ اِبن خلدون ص ۲۵۲ قیادۃ الاساطیل)

دفاعی مصارف اور ذرائع آمدنی :

بہرحال تمام دُنیا کی قیادتِ عامہ سنبھالنے کے لیے جس طاقت کی بھی ضرورت ہے اُس کے لیے دولت کہاں سے آئے گی ؟ کسی خوش فہم کو مطمئن نہ ہونا چاہیے کہ ترقیاتی منصوبوں یا دفاعی اِستحکام کے مصارف ملک کے غیر مسلم باشندوں سے وصول کیے جائیں گے قرآنِ حکیم اِس ناانصافی کی اِجازت نہیں دیتا، قرآنِ حکیم خصوصیت سے مسلمانوں کو مخاطب کر کے ہدایت دے رہا ہے :

---

[1] سورۂ بقرہ آیت : ۱۹۵

''مسلمانو ! تمہیں کیا ہو گیا ہے جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں قدم اُٹھاؤ تو تمہارے پاؤں بوجھل ہو کر زمین پکڑ لیتے ہیں، کیا آخرت چھوڑ کر صرف دُنیا کی زندگی پر ریجھ گئے ہو (اگر ایسا ہی ہے) تو (یاد رکھو) دُنیاوی زندگی کی پونجی آخرت کے مقابلہ میں اگر کچھ وجود رکھتی ہے تو وہ بہت ہی تھوڑا ہے (نفی کے برابر) (اور دیکھو) اگر تم قدم نہیں اُٹھاتے تو یاد رکھو وہ تمہیں ایک ایسے عذاب میں ڈال دے گا جو دردناک ہوگا اور تمہاری جگہ کسی دُوسرے گروہ کو لا کر کھڑا کر دے گا اور تم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے، اپنا ہی نقصان کرو گے۔ (سورۂ توبہ آیت: ۳۸، ۳۹)

پھر اِرشاد ہے :

''نکل کھڑے ہو (قدم بڑھاؤ) ہلکے ہو یا بوجھل، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم میں سمجھ ہے۔''[۱]

یعنی صرف جانیں قربان کرنا نہیں بلکہ مال قربان کرنا بھی مسلمانوں پر فرض ہے اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ عقیدہ رکھے کہ جو کچھ اُس کے پاس ہے وہ اُس کا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا ہے کیونکہ

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں مسلمانوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اِس قیمت پر کہ اُن کے لیے جنت ہے وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔'' (سورۂ توبہ آیت نمبر : ۱۱۱)

جب مسلمان کا مال خدا کا مال ہے تو اگر دفاعی اور جنگی اِستحکام کے لیے پورا مال خرچ کرنے کی ضرورت ہوئی تو مسلمان پر فرض ہوگا کہ پورا مال خرچ کر دے۔

'' اے پیغمبر ! تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں ؟ آپ کہہ دیجیے جو اَفزود[۲] ہو۔''[۳]

اِس کی وضاحت یہ ہے :

---

[۱] سورۂ توبہ آیت : ۴۱ [۲] ضرورت سے زائد ہو۔ [۳] سورۂ بقرہ آیت : ۲۱۹

''مسلمانوں سے کہہ دو کہ تمہارے باپ ،تمہارے بیٹے ،تمہارے بھائی ،تمہاری بیویاں ،تمہاری برادری ،تمہارا مال جوتم نے کمایا ہے ،تمہاری تجارت جس میں گھاٹا پڑ جانے سے ڈرتے ہو،تمہارے رہنے کے مکانات جوتمہیں اِس قدر پسند ہیں ،اگر یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے اور اُس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو اِنتظار کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ راہ نہیں دیتا فاسقوں (نافرمان لوگوں) کو۔'' (سورۂ توبہ : ۲۴)

بہرحال ایک طرف مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ :

''جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا اور یاد کرو اللہ کو بہت سا اور توقع رکھو کہ تم کامیاب ہو گے۔'' (سورۂ جمعہ آیت : ۱۰)

یعنی فریضہ نماز اپنے وقت پر اَدا کرو پھر کاروبار میں مصروف ہو کر منافع حاصل کرو، دُوسری طرف یہ ہدایت ہے کہ جو کچھ منافع حاصل کرو اُس کو اللہ کا فضل و اِنعام سمجھو اور یقین رکھو کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ملّت کا ہے اور جب بھی ضرورت پیش آئے اُس کو قربان کر دو۔ تو جس ملّت کا یہ دستور العمل ہوگا تو کیا کبھی اُس کا کوئی منصوبہ کسی دُوسرے کا دست نگر رہ سکے گا ؟

بہرحال مذکورہ بالا آیات نے جس طرح ترقیاتی منصوبوں اور غیر معمولی دفاعی اِستحکام کی ہدایت کی ،ساتھ ساتھ ذرائع آمد کی وضاحت بھی کر دی اور یہ بھی واضح کر دیا کہ تمام مصارف کی فراہمی مسلمانوں کے ذمہ ہے وہ خود اپنی آمدنی سے یہ مصارف فراہم کریں گے۔

اَقلیتوں پر بوجھ نہیں ڈالا گیا :

قرآنِ حکیم نے اِن مصارف کے بارے میں کوئی مطالبہ کسی غیر مسلم سے نہیں کیا، بے شک غیر مسلموں سے جزیہ لیا جائے گا مگر اُس کی حیثیت حفاظتی ٹیکس کی ہے اور اُس کی مقدار بھی اِتنی ہی ہوتی ہے کہ صرف حفاظتی ضرورتوں (مثلاً پولیس) کے لیے کافی ہو سکے۔

اِسلامی حکومت اگر صحیح اُصولوں پر کارفرما ہو تو اُس کو بجا طور پر فخر کرنے کا حق ہوگا، وہ غیر مسلموں کو شہری حقوق مسلمانوں کے برابر بلکہ بعض صورتوں میں مسلمانوں سے زیادہ حقوق دیتی ہے مثلاً مسلمان شراب کا کوئی دھندا نہیں کرسکتا نہ کشید کرسکتا ہے نہ اُس کو خرید یا فروخت کرسکتا ہے اِسی طرح مسلمان خنزیر اور بعض ائمہ کے نزدیک ہاتھی کی تجارت بھی نہیں کرسکتا مگر غیر مسلموں کو اِن کے کاروبار کی اِجازت ہوتی ہے، ہدایت صرف یہ ہوتی ہے کہ برسرِ عام نہ ہو۔ شہری حقوق میں اِس فراخ حوصلگی کے باوجود اُن پر نہ دفاعی اور جنگی ذمہ داری ہے نہ ترقیاتی منصوبوں کے مطالبات اُن پر لازم ہوتے ہیں اَلبتہ کسی غیر مسلم قوم نے جب مسلمانوں کی قیادت تسلیم کی تھی اُس وقت کوئی ایسا معاہدہ کیا تھا جس کی بناء پر دفاع میں شرکت کی ذمہ داری اُن پر لازم آتی ہے تو مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ معاہدہ کی ہر دفعہ کی پوری پوری پابندی کریں۔

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾ (سُورۂ بنی اسرائیل : ۳۴)

''عہد پورا کرو عہد کے بارے میں تم سے باز پرس کی جائے گی۔''

خلفائے راشدین کی وصیتیں دُنیا کے سامنے موجود ہیں وہ وفات کے وقت بھی تاکید کیا کرتے تھے کہ جن (غیر مسلم اَقلیتوں) سے معاہدہ ہوا ہے وہ اللہ اور اُس کے رسول کی پناہ میں ہیں اِس پناہ میں کوئی رخنہ نہ آئے۔ (جاری ہے)

ماہنامہ انوار مدینہ لاہور میں اِشتہار دے کر آپ اپنے کاروبار کی تشہیر
اور دینی اِدارہ کا تعاون ایک ساتھ کرسکتے ہیں !

نرخ نامہ

بیرون ٹائٹل مکمل صفحہ	2000		اَندرون رسالہ مکمل صفحہ	1000
اَندرون ٹائٹل مکمل صفحہ	1500		اَندرون رسالہ نصف صفحہ	500

علمی مضامین سلسلہ نمبر ۱۰ (قسط:۵)

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

دورِ حاضر کے سیاسی اور اِقتصادی مسائل

اور

اِسلامی تعلیمات و اِشارات

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ ﴾

۞ ۞ ۞

فرد کی مِلکیت، تقسیمِ دولت اور تہذیبِ اَخلاق :

اِنفرادی مِلکیت کو اِسلام تسلیم کرتا ہے مگر اِس لیے نہیں کہ وہ صاحبِ اِیمان کو پونجی پتی بنانا چاہتا ہے یا سرمایہ داری سے اِس کو محبت ہے۔ فرد کی ملکیت کو اِسلام نے اِس لیے تسلیم کیا ہے کہ اِنسانیت کا جوہر نکھرے اور شرفِ اِنسانیت کی وجہ اور اِنسانی عظمت کی علت مشاہدہ بن کر سامنے آئے اَخلاق کی بلندی اِنسانیت کا جوہر ہے اِسلام فرد کو اِس لیے مالک بناتا ہے کہ وہ مکارمِ اَخلاق سے آراستہ ہو۔ بخل، خودغرضی، تنگ نظری، حرص، طمع، حسد وہ ذلیل اور کمینہ خصلتیں ہیں جو شرفِ اِنسانیت سے میل نہیں کھاتیں

یہ بہائم اور درندوں کی خصلتیں ہیں، دامنِ اِنسانیت اِن گندی خصلتوں سے پاک ہونا چاہیے۔

مقدس مذہب کا پہلا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ اِنسان اِن گندی خصلتوں سے تقدس حاصل کرے، یہ تقدس اِسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے کہ فیض رسانی، نفع بخشی، محبت وشفقت، لطف وکرم کے موتی چمکیں اور تاجِ اِنسانیت کو مرصع کردیں، قارون جو اپنے زمانے کا سب سے بڑا پونجی پتی تھا حضرت موسٰی علیہ السلام نے اُس کو خاتمہ ملکیت کا نوٹس نہیں دیا تھا کیونکہ اِس سے نہ کسی بہتر خُلق کی تربیت ہوتی تھی اور نہ بری خصلت کا اِزالہ ہوتا تھا صرف ایک جبر وقہر ہوتا اور ظلم کی ایک مثال دُنیا کے سامنے آتی۔ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اُس کو یہ نصیحت کی تھی ﴿اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ [1] جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم اِنعام واِحسان سے تم کو نوازا ہے تم بھی اِسی طرح خلقِ خدا کو اِحسان ولطف وکرم سے نوازو۔ یعنی دولت کا مفاد یہ ہونا چاہیے کہ اِحسان واِنعام ولطف وکرم، اِحسان مندی اور شکر گزاری کی فضا جلوہ گر ہو، دولت مند ربِ ذوالجلال کا شکر گزار ہو اور خلقِ خدا پر اِحسان کرے، خلق جو اُس کے لطف وکرم سے فیضیاب ہوگی وہ اُس کی شکر گزار اور اِحسان مند ہوگی، اِس طرح اِنسانی اُخوت بال وپر پھیلائے گی اور شجرہ اِنسانیت بارآور ہوگا۔ اِسلام یہ ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ دولت جس کے معنی ہیں ''لین دین'' اِس کی گردش بند ہو اور چند اَفراد میں منحصر اور محصور ہوکر رہ جائے۔

آج اگر'' قارون'' اور قارون کے خزانہ سے نفرت فطرتِ اِنسانی کا جز بن گئی ہے اور ''یہودیت'' کو توہین آمیز طعنہ سمجھا جاتا ہے تو صرف قرآنِ حکیم ہی ہے جس نے اِن کا تعارف کرایا یہاں تک کہ سرمایہ نواز الفاظ توہین کے الفاظ سمجھے جانے لگے اور اِن الفاظ کی تہہ میں سرمایہ داری سے نفرت دلوں میں رچ گئی ہے۔

اِسلام دولت کے لیے تقسیم کو لازمی قرار دیتا ہے اَلبتہ جب تک اِنسان اپنے ہوش وحواس اور اپنے اِختیار میں ہے وہ دولت کی تقسیم خود نہیں کرتا، وہ دولت مند سے تقسیم کراتا ہے تاکہ بخل جیسی خصلت کا روگ دولت مند کے دل سے دُور ہو اَلبتہ جب اِنسان موت کا اِستقبال کرتے ہوئے اپنے اِختیارات

[1] سورۂ قصص آیت : ۷۷

کو ختم کر دیتا ہے بالفاظِ دیگر زندگی کا ورق لپیٹتے ہوئے جب اُس کے اِختیارات ختم ہونے لگتے ہیں تو اِسلام آگے بڑھ کر تقسیمِ دولت کا عمل خود کرتا ہے اَلبتہ غیروں میں نہیں بلکہ خود اُسی کے عزیز واَقارب میں اُس کے پارچے اور قاشیں تقسیم کر دیتا ہے۔

لازمی تقسیم :

زندگی میں لازمی تقسیم وہ زکوۃ ہے جو دولت مند پر ہر سال اِسی طرح لازمی ہوتی ہے کہ جیسے ہی سال کے آخری دِن کی شام ہوتی ہے دولت کا یہ حصہ اُس کی مِلک سے نکل کر ضرورت مند کا حق بن جاتا ہے، یہ حصہ اُس کا نہیں رہتا اگر اِس میں تصرف کرتا ہے تو وہ دُوسرے کے حصہ میں تصرف کر رہا ہے اور اِس کی آمیزش سے اپنے پورے مال کو ناپاک کر رہا ہے یہ حصہ اُس کی مِلک سے اِس درجہ خارج ہو گیا کہ اگر وہ کسی مصلحت یا حماقت سے پورے مال کو دریا میں غرق کر دے یا کسی اور طرح تباہ کر دے تو زکوۃ کا حصہ اُس پر پھر بھی واجب الاداء رہے گا کیونکہ یہ حصہ اُس کا نہیں رہا تھا اِس حصہ کو تباہ کر کے اُس نے دُوسرے کا حق تباہ کیا ہے۔

جذبۂ دولتمندی اور سرمایہ داری کا اِستیصال :

جس کو ہم دولت سمجھتے ہیں ابھی اُس کا وجود بھی نہیں ہوتا کہ اِسلام دولت مندی کے مطالبات اُس پر لازم کر دیتا ہے۔ اگر چون تولہ چاندی کسی کے پاس ہے تو عرف اور محاورہ میں اُس کو دولتمند نہیں کہا جاتا مگر اِسلام اُس کو دولتمند قرار دیتا ہے اور اُس پر وہ مطالبہ عائد کر دیتا ہے جو دولتمند پر عائد ہوتا ہے۔ اگر رمضان شریف کی تیس تاریخ کو کسی کے پاس چون تولہ چاندی اُس کی ضروریات سے فاضل ہے تو اگلی صبح کو جس طرح بڑے مالدار پر صدقۂ فطر واجب ہے اِس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے کہ اپنی اور اپنے متعلقین کی طرف سے جن کی پرورش اِس کے ذمہ ہے فی کس پونے دو سیر گیہوں یا اُتنے گیہوں کی قیمت ضرورت مند کو دے۔ بقرعید کے موقع پر ایک قربانی واجب ہو جاتی ہے اور جب سال ختم ہوگا تو اُس کا چالیسواں حصہ اَدا کرنا ہوگا، جیسے جیسے دولت بڑھتی رہے گی زکوۃ کی رقم بھی بڑھتی

رہے گی مثلاً جب ایک لاکھ کا سرمایہ ہو جائے گا تو ڈھائی ہزار سالانہ زکوۃ کی رقم اَدا کرنا ہوگی، اب اگر اپنی اِس پونجی کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے تو وہ مجبور ہے کہ تجوری سے نکال کر مارکیٹ میں لائے اور اِس سرمایہ میں گردش پیدا کرے ورنہ تقریباً پچاس سال میں یہ تمام رقم زکوۃ کے راستہ ضرورت مندوں کے پاس پہنچ جائے گی۔

پھر اِسلام کی نظر میں سونا چاندی یا مالِ تجارت ہی سرمایہ نہیں ہے بلکہ وہ مویشی بھی سرمایہ ہیں جو دیہات میں بسنے والوں کے پاس ہوتے ہیں، گائے، بیل، بھیڑ، بکری، اُونٹ، بھینس، بھینسا، ہرایک جانور سرمایہ ہے ایک مخصوص مقدار (جس کو نصاب کہا جاتا ہے) مقرر ہے، اگر کسی کے پاس چالیس بکریاں ہیں تو وہ ایک نصاب کا مالک ہے اُس کو ختم سال پر ایک بکری دینی ہوگی وغیرہ وغیرہ (تفصیلات کتبِ فقہ میں بیان کی گئی ہیں)۔

پھر یہ تمام خرچ اور آج کل کی اِصطلاح میں اپنی دولت کی تقسیم اگر نام ونمود کے لیے ہے یا کسی پر اِحسان رکھنے یا اپنی کوئی غرض پوری کرنے کے لیے ہے تو اگرچہ قانونی طور پر اُس کا فرض اَدا ہو گیا ہے مگر عنداللہ اِس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے اُس مٹی میں کاشت کی نیت سے دانے بکھیر دیے جو کسی چٹان پر جم گئی تھی جیسے ہی بارش کی بوندیں پڑیں وہ مٹی بہہ گئی ساتھ میں دانے بھی بہہ گئے دُھلی دُھلائی چٹان باقی رہ گئی جہاں نہ کوئی تخم ہے نہ پودا۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۶۴)

اِسلام اور اِیمانی نقطۂ نظر سے یہ خرچ اِس لیے ہونا چاہیے کہ خود اُس کی اپنی اصلاح ہو، بخل وغیرہ کی بری خصلتوں کے بجائے ہمدردیٔ خلقِ خدا اور لطف واِحسان کی خصلتیں نشوونما پائیں اور سب سے اہم بات یہ کہ بندہ کا جو تعلق اپنے رب سے ہے وہ مستحکم ہو بارگاہِ رب العزت میں اِس کو اِطاعت شعار بندہ قرار دیا جاسکے۔

ایک طرف جذبۂ سرمایہ داری کی یہ بیخ کنی ہے، دُوسری طرف خرچ (یا تقسیمِ دولت) کی یہ اہمیت ہے کہ :

(۱) کسی شخص کو نیک نہیں کہا جاسکتا جب تک اُس میں یہ بات نہ ہو کہ مال کی ضرورت کے

باوجود رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں پر خرچ کرتا رہے، مقروضوں کے قرض کی اَدائیگی اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں مدد کرتا رہے۔ (سورۂ بقرہ آیت : ۱۷۷)

(۲) کسی کو عبادت گزار نہیں کہا جا سکتا جب تک نماز کی طرح زکوۃ بھی پابندی سے اَدا نہ کرے، چنانچہ جہاں نماز کا حکم ہے ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ ساتھ ساتھ زکوۃ کا بھی حکم ہے ﴿اٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾

(۳) وہ شخص صاحب اِیمان نہیں جس کا پڑوسی بھوکا رہے اور یہ پیٹ بھر لے۔ (حدیثِ صحیح)

(۴) صحیح معنٰی میں پاکباز اور متقی کامل وہ ہے جو اپنا مال اِس غرض سے دیتا ہے کہ اُس کا دل پاک ہو جائے اور نہیں اُس پر کسی کا اِحسان جس کا بدلہ دے، صرف اپنے بلند و برتر پروردگار کی رضا جوئی مقصود ہو۔ (سورۃ اللیل آیت : ۱۹، ۲۰)

زکوۃ کے علاوہ :

اگر فاقہ اور اِفلاس کی وبا ایسی عام ہے کہ زکوۃ کی پوری پوری رقم اَدا کرنے کے بعد بھی لوگوں کو فاقہ سے نجات نہیں ملتی تو سورۂ بلد کی وہ آیتیں جو صاحبِ دولت کو مضطرب کرنے کے لیے کافی ہیں ملاحظہ ہوں جن کا ترجمہ یہ ہے :

> ''کیا اِنسان خیال کرتا ہے کہ اُس پر کسی کا بس نہیں چلے گا۔ کہتا ہے میں نے بیشمار دولت خرچ کر ڈالی۔ [۱] کیا یہ (اِنسان) سمجھتا ہے کہ نہیں دیکھا اُس کو کسی نے، کیا ہم نے اُس کو دو آنکھیں نہیں دیں، زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے، اور کیا ہم نے (خیر و شر یا کامیابی و ناکامی کے) دونوں راستے اُس کو نہیں بتائے پس وہ اِنسان گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا (دُشوار راستہ طے نہ کیا) تمہیں معلوم ہے گھاٹی کیا ہے ؟ چھڑانا کسی گردن کا، مقروض کا قرض اَدا کرنا، غلام کو آزادی دلانا یا کھلانا بھوک کے دن کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک میں بسنے والے مسکین (محتاج) کو۔''

---

[۱] یعنی میں نے کھپایا مال ڈھیروں۔ (حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ)

اِن آیتوں میں دولت کی بھی شرط نہیں بلکہ ہر وہ شخص جس کو خدا نے یہ قدرتی دولت دی ہے کہ وہ ہونٹوں اور زبان سے بول سکتا ہے جس کو بینائی کی نعمت حاصل ہے اُس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اِن نعمتوں کے شکر میں مقروض کا قرض اَدا کرے، غلام کو آزادی دلائے ، فاقہ زدہ مسکینوں کی اِمداد کرے اور صرف یہی نہیں کہ اگر اُس نے اپنی جانب سے یہ اِمداد کردی تو سبکدوش ہوگیا بلکہ حکم یہ ہے کہ دُوسروں کو بھی اِس پر آمادہ کرے یعنی ہمدردی نوعِ اِنسان اور غرباء پروری کی عام فضا پیدا کرے۔

سورۂ ماعون کی اِبتدا کی آیتوں کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے ملاحظہ فرمایئے اِس حکم کا اَنداز کتنا سخت ہے :

''کیا تو نے نہیں دیکھا اُس کو جو جھٹلاتا ہے دین کو، یہ وہ شخص ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو اور نہیں ترغیب دیتا (دُوسروں کو آمادہ نہیں کرتا) مسکین کو کھانا کھلانے پر۔''

''دَیْنٌ'' کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے ''اِنصاف'' کیا ہے اور حضرت مولانا اَشرف علی صاحبؒ نے ''روزِ جزا'' (قیامت) بہرحال یہ آیتیں تنبیہ کررہی ہیں کہ تقاضائے دین صرف یہی نہیں ہے کہ خود خرچ کرے بلکہ تقاضائے دین یہ ہے کہ دُوسروں کو بھی آمادہ کرے، اگر اِس میں سستی کرتا ہے تو گویا سلسلۂ دین کی تکذیب کرتا ہے۔ (سورۂ اَلحاقہ ۳۰ تا ۳۲ میں اِس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے) اِن آیات میں کافر کے شدید ترین عذاب کے اَسباب میں ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے ''مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیا کرتا تھا'' اُصولِ فقہ کے لحاظ سے یہ نتیجہ اَخذ کیا جاسکتا ہے کہ جب فاقہ زدہ لوگوں کی اِمداد پر دُوسروں کو آمادہ نہ کرنا موجبِ عذاب ہے تو آمادہ کرنا واجب ہے۔ اِس کے علاوہ سورۂ ہمزہ اور بہت سی آیتوں کا ترجمہ پہلے اَبواب میں گزر چکا ہے۔

ناداروں کی ذمہ داری حکومت پر ہے :

یہاں قابلِ توجہ یہ ہے کہ دارُالاسلام میں مسکینوں اور ضرورت مندوں کی اِمداد کا فرض حکومت پر عائد ہوگا اور وہ دولت مندوں کی اِمداد سے اِس فرض کو اَدا کرے گی لیکن جہاں اِسلامی نظام حکومت نہیں ہے وہاں ہر دولتمند اِن آیتوں کا مخاطب ہے، نظامِ حکومت نہ ہونے کے عذر سے وہ اِن آیتوں

کے خطاب سے سبکدوش نہیں ہوسکتا ! چنانچہ یہ آیتیں مکہ مکرمہ میں اُس وقت نازل ہوئی تھیں جب مکہ دارُالاسلام نہیں تھا بلکہ بدترین دارُالحرب تھا جہاں مسلمان کو سانس لینا مشکل ہورہا تھا۔

ہم نے صرف قرآن شریف کی چند آیتیں پیش کی ہیں اَحادیث کے لیے ایک کتاب چاہیے مجاہدِ ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ نے اِن کے علاوہ چند حدیثیں اور علماء کرام کے اَقوال پیش کیے ہیں جو اہلِ علم کے لیے دلچسپ اور معنی خیز ہیں ملاحظہ فرمائیے: (اِسلام کا اِقتصادی نظام ص ۳۴۶ تا ۳۵۴)

دُوسری ضرورتیں :

پہلے گزر چکا ہے کہ صرف یتیموں اور مسکینوں کی اِمداد ہی ملت کی ضرورت نہیں بلکہ ملت کی اور بھی ضرورتیں ہیں اور بعض ایسی ہیں جو دارُالحرب اور دارُالکفر میں اور زیادہ اہمیت حاصل کر لیتی ہیں، مسلمان کچھ اِمتیاز رکھتا ہے اِسی وجہ سے اُس کو مسلمان کہا جاتا ہے، اگر کسی ملک میں وہ اپنے اِس اِمتیاز کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہے تو اُس ملک کا نام کچھ بھی رکھیں اور فقہ کے لحاظ سے آپ اُس کو کوئی بھی حیثیت دیں اُس ملک میں بود و باش اُس کے لیے ناجائز نہیں ہوگی لیکن یہ اُس کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے اِس اِمتیاز کو قائم رکھے اِس اِمتیاز کو قائم رکھنے کے لیے اُس کو تعلیمی نظام کی بھی ضرورت ہوگی، تبلیغ و اِصلاح کے حلقے بھی ضروری ہوں گے، مدارس مساجد مکاتب اور تربیت گاہیں وغیرہ اُس کی حیاتِ ملی کے لوازمات ہیں۔ اِن کے جملہ لوازمات پر زکوۃ اور صدقۂ فطر کی رقومات صرف نہیں ہوسکتیں، لہٰذا اہلِ اِستطاعت کا فرض ہوگا کہ وہ اِن ضرورتوں کا جائزہ لیں اور اُن کے پورا کرنے کے لیے زکوۃ کے علاوہ عطیات فراہم کریں یعنی قرآنِ حکیم کی اِصطلاح کی بموجب اللہ تعالیٰ کو ''قرضِ حسن'' دیں، اِن ملی ضرورتوں سے بے اِعتنائی ملت کی اور اپنی ہلاکت ہے اِس ہلاکت سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے

''راہِ خدا میں خرچ کرو، پہلوتہی کر کے اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو
اور نیکی کرو یقیناً اللہ تعالیٰ کی محبت اُن ہی کے لیے ہے جو نیکی کرنے والے ہیں۔'' [۱]

---

[۱] سورۂ بقرہ آیت : ۱۹۴

لازمی تقسیم کی دُوسری صورت ''ترکہ کی تقسیم'' :

جب ایک مسلمان اِس دارِ فانی سے رَختِ سفر باندھنے لگتا ہے اور وقت آتا ہے کہ چار و نا چار اپنے تمام مقبوضات دُوسرے کے حوالے کرے تو وہ ملکیت جس کی حقیقت عاریت تھی اُس کا چولہ خود بخود اُتر جاتا ہے۔ زندگی میں اُس کو ہدایت کی گئی تھی کہ یہ تقسیم کرے اور اَخلاقی کمالات پیدا کرے اَب مالکِ حقیقی خود تقسیم کا ذمہ دار ہوتا ہے، صرف ایک تہائی تک اُس کو اِجازت دی جاتی ہے کہ اپنی صوابدید کے بموجب خرچ کرے، باقی تمام ترکہ میں وہ تقسیم جاری ہوتی ہے جو مالکِ حقیقی نے اِس پختگی کے ساتھ طے کردی ہے کہ کسی کو لب کشائی کی اِجازت بھی نہیں ہے چنانچہ واضح طور پر اِرشاد فرمایا گیا ہے :

''دیکھو تمہارے باپ دادا بھی ہیں اور تمہاری اَولاد بھی، تم نہیں جانتے کہ نفع رسانی کے لحاظ سے کون سا رشتہ تم سے زیادہ نزدیک ہے اور کس کا حق زیادہ ہونا چاہیے اور کس کا کم، اللہ تعالیٰ کی حکمت ہی اِس کا فیصلہ کرسکتی ہے بس۔ اللہ تعالیٰ نے حصے ٹھہرا دیے ہیں اور وہ (اپنے بندوں کی مصلحت کا) جاننے والا (اور اپنے تمام اَحکام میں) حکمت رکھنے والا ہے۔'' (سورۂ نساء آیت : ۱۱)

''(یاد رکھو ! یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی) حد بندیاں ہیں بس جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو اللہ اُسے (اَبدی راحتوں کے) ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہے گا اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے جو اُسے حاصل ہوگی لیکن جس کسی نے اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی اور اُس کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں سے تجاوز کیا تو یاد رکھو اُس کو آگ کے عذاب میں ڈال دیا جائے گا وہ ہمیشہ ایسی حالت میں رہے گا اور اُس کو رُسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔'' (سورۂ نساء آیت : ۱۳، ۱۴)

بیت المال اور مداخل و مصارف :

سمجھانے کے لیے ''قومی فنڈ'' یا ''اسٹیٹ'' کا لفظ بھی بولا جاسکتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ

مبہم الفاظ بیت المال کا پورا مفہوم اَدا نہیں کرتے۔ لفظی معنی کے لحاظ سے اگرچہ بیت المال (مال کا کمرہ) اُس مکان کا نام ہے جہاں خلافتِ اِسلامی کا مرکزی خزانہ محفوظ رہتا ہو، مگر محاورہ میں اِسلامی حکومت کے پورے مالی نظام کو بھی ''بیت المال'' کہہ دیا جاتا ہے یہی عام مفہوم اِس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے اور اِسی کی آمدنی اور خرچ کے مدات بیان کرنے مقصود ہیں۔

(۱) زکوۃ (۲) صدقۂ فطر (۳) عشر۔ یہ تینوں مد مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہیں یہ صرف مسلمان سے وصول کیے جائیں گے۔ (غیر مسلم اگر چاہیں تو وہ بھی اِس طرح کا نظام قائم کر سکتے ہیں اِسلامی حکومت اُنہیں مجبور نہیں کرے گی) یتیم بچے، ضرورت مند مسلمان مرد اور عورتیں جو صاحبِ نصاب نہ ہوں ضرورت مند مسافر (اِبن السبیل) اِن کے مصارف ہیں مسلمان طلبہ کے تعلیمی وظیفے بھی اِن مدات سے دیے جاسکتے ہیں۔

(۴) ''اَوقاف'' ہر ایک وقف کی آمدنی کا مصرف وہ ہوگا جو وقف نامہ میں درج ہے، وہ مصرف نہ رہا ہو یا غلط قرار دے دیا گیا ہو تو یہ آمدنی بیت المال کے ذریعہ قریب تر یا مناسب تر مد میں صرف کی جائے گی۔

(۵) ''خراج'' وہ مال گزاری (محصول) ہے جو غیر عشری زمینوں سے لیا جاتا ہے۔ کتبِ فقہ میں عشری اور خراجی زمینوں کی تفصیلات درج ہیں، مجاہدِ ملتؒ نے بھی ''اِسلام کے اِقتصادی نظام'' میں اِن کی تفصیل کر دی ہے مراجعت کی جائے۔

(۶) ''عشور'' کو سمجھانے کے لیے درآمد برآمد کی ڈیوٹی (کسٹم ڈیوٹی) کہا جاسکتا ہے مگر عشور اور کسٹم ڈیوٹی میں بڑا فرق ہے، عشور صرف تجارتی مال پر لیا جاتا ہے ملک کے اَندر نہیں لیا جاتا بلکہ دُوسرے ملک سے درآمد برآمد پر لیا جاتا ہے۔

نصاب کی جو مقدار ہے یعنی چون تولہ چاندی اِس سے کم قیمت کے مال پر نہیں لیا جاتا بعض صورتوں میں مقروض سے نہیں لیا جاتا، مسلمان اگر زکوۃ اَدا کر چکا ہے تو اُس سے نہیں لیا جاتا، غیر ملکی سے اُس وقت لیا جاتا ہے جبکہ دُوسرا ملک جس سے درآمد یا برآمد ہو رہی ہے وہ بھی لیتا ہو، ورنہ نہیں لیا جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اِسلام اِس عشور کو جس کا دُوسرا نام ''مکس'' بھی ہے پسند نہیں کرتا۔ آنحضرت ﷺ کا اِرشادِ گرامی ہے : لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ صَاحِبُ مَکْسٍ مکس وصول کرنے والے کو جنت نصیب نہ ہوگی۔ (اَبوداؤد شریف) حدیثِ ماعز میں ہے لَقَدْ تَابَ تَوْبَۃً لَوْتَابَھَا صَاحِبُ مَکْسٍ (الحدیث)

اِسلام کا منشاء یہ ہے کہ تعاونِ باہمی کے اُصول پر آزادانہ اور کھلی تجارت جاری رہے خدا کے بندے مسلمان ہوں یا غیر مسلمان، ایک ملک اور ایک قوم کے ہوں یا اُن کے ملک اور اُن کی قومیں مختلف ہوں ایک دُوسرے کے لیے سہولتیں فراہم کریں، ایک دُوسرے کو نفع پہنچائیں، باہمی روابط اور تعلقات بڑھیں تاکہ اِنسانی اُخوت جلوہ گر ہو، لہٰذا اِسلامی مملکت اپنی طرف سے کوئی ٹیکس نہیں لگائے گی اَلبتہ دُوسرا ملک ٹیکس وصول کرتا ہے تو قانونِ اِسلامی (فقہ) کا اُصول یہ بھی ہے کہ نقصان کا سدِ باب کیا جائے الضرر یُزال لہٰذا اِس حد تک کہ اِسلامی مملکت نقصان نہ اُٹھائے ٹیکس لگایا جائے گا لیکن ایک مسلمان حاکم کو اِس کے وصول کرنے میں کس درجہ اِحتیاط برتنی چاہیے، صاحبِ شریعت کا مذکورہ بالا اِرشادِ گرامی اُس کو تنبیہ کر رہا ہے کہ اگر وہ بھی عام اِنسپکٹروں کا طریقہ اِختیار کرتا ہے اور اپنی کسی قسم کی بے اِعتدالی سے اِس تعاونِ باہمی کے سلسلہ بین الاقوامی تجارت کو متاثر کرتا ہے تو دوزخ کا دروازہ اُس کے لیے کھلا ہوا ہے وہ جنت میں نہیں جائے گا، واللہ اعلم۔

شرح : عشور ''عشر'' سے ماخوذ ہے (دسواں حصہ) پس غیر ملکی، غیر مسلم سے دس فیصدی دارُالاسلام کے غیر مسلم سے پانچ فیصدی اور مسلمان سے ڈھائی فیصدی کیونکہ غیر مسلم سے وہ ملکی ہو یا غیر ملکی صرف اُس مال کا ٹیکس وصول کیا جائے گا جس کو وہ درآمد یا برآمد کر رہا ہے اُس کی دُکان پر یا گودام میں جو مال ہے یا اُس کے گھر میں جو زیور یا نقد کی شکل میں سونا چاندی ہے اُس پر کوئی زکوۃ نہیں ہے اور مسلمان کے تمام مال بلکہ تمام اَثاثہ پر زکوۃ واجب ہے وہ دُکان میں ہو یا گودام میں یا مکان میں نقد کی شکل میں یا زیور وغیرہ کی شکل میں۔ پس مسلمان سے اُس درآمدی اور برآمدی مال میں اگرچہ ڈھائی فیصد وصول کیا گیا ہے مگر چونکہ اُس کو کل مال پر اِس نسبت سے اَدا کرنا ہوتا ہے تو اُس کا اَوسط غیر مسلم سے کہیں زیادہ ہوتا ہے مثلاً ایک غیر مسلم کا کل اَثاثہ اگر ایک لاکھ ہے اور اُس نے دو ہزار کا مال

درآمد یا برآمد کیا ہے تو اگر غیر ملکی ہے تو اُس سے دوسو روپے اور ملکی ہے تو اُس سے سو روپے اور مسلمان ہے تو اُس سے پچاس روپے لیے گئے لیکن چونکہ مسلمان کو کل اَثاثہ ایک لاکھ پر زکوۃ اَدا کرنی ہوگی تو بیت المال کو اُس سے سال میں صرف پچاس روپے نہیں بلکہ ڈھائی ہزار روپے وصول ہوں گے جبکہ غیر مسلم سے صرف سو یا دوسو وصول ہوئے تھے۔

علاوہ اَزیں غیر مسلم غیر ملکی سے دس فیصدی اُس وقت ہے جبکہ وہ بھی اِسی نسبت سے وصول کرتے ہوں اور اگر وہ اِس سے کم صول کرتے ہیں تو دارُ الاسلام کے اِنسپکٹر بھی اُس سے کم ہی وصول کریں گے۔ لِاَنَّا اَحَقُّ بِالْمَکَارِمِ یعنی دارُ الاسلام والوں پر زیادہ ضروری ہے کہ اُن کے اَخلاق بہتر اور بلند تر ہوں۔ مزید تفصیلات کتبِ فقہ میں ملاحظہ ہوں۔

(۷) ''جزیہ'' آنحضرت ﷺ نے خیبر پر حملہ کیا وہاں کے یہودیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی بالآخر ایک معاہدہ کرلیا۔

> ''حکومتِ اِسلام کو حق ہوگا کہ جب ضرورت سمجھے خیبر کو یہودیوں سے خالی کرالے مگر جب تک وہ رہیں گے اَراضی پر بدستور قابض رہیں گے اَلبتہ پیداوار کا نصف حصہ حکومت کو اَدا کرتے رہیں گے۔''

جب تک یہودی خیبر میں رہے اِسی معاہدہ پر عمل ہوتا رہا، طے شدہ حصے کے علاوہ اُن سے نہ خراج لیا گیا نہ جزیہ۔ (المبسوط للسرخسیؒ ج ۲۳ ص ۲، ۳)

اِسی طرح کسی بھی مرحلہ پر کسی قوم یا کسی آبادی سے کوئی معاہدہ ہوجاتا ہے تو قرآنِ حکیم کا حکم ہے: ﴿اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ [۱] اِن معاہدات کو پورا کرو ﴿اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ﴾ [۲] عہد کو پورا کرو۔

اِس طرح کے معاہدے طرفین کی صواب دید پر اور مفتوح قوم کے عوام کی رائے معلوم کرنے کے بعد ہوں گے۔ (کتاب الاموال لابی عبید، حدیث ۴۷۸، ۴۷۹ و صفحہ ۱۷۷، ۱۷۸)

آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے دورِ مسعود میں جو معاہدے ہوئے وہ تاریخ طبری،

---

[۱] سورہ مائدہ آیت : ۱ [۲] سورہ بنی اِسرائیل آیت : ۳۴

فتوح البلدان بلاذری، سیرِ کبیر (اِمام محمدؒ) مبسوط (شمس الائمہ سرخسیؒ) وغیرہ میں محفوظ ہیں، اِن معاہدات کی شرطیں مختلف تھیں اَلبتہ ایک بات سب میں مشترک تھی کہ فاتح اور حکمران جماعت سے زیادہ مفتوح اور مغلوب قوموں کی سہولت کا لحاظ رکھا جاتا تھا، پھر معاہدہ پر عمل اِس اِحتیاط سے ہوتا تھا کہ خیبر کے یہودی جو مسلمانوں سے بہت گہری پرخاش رکھتے تھے (یہاں تک کہ اُنہوں نے آنحضرت ﷺ کے کھانے میں ایک مرتبہ ایک عورت کے ذریعے زہر بھی ڈلوادیا تھا) جب اُنہوں نے اِس اِحتیاط کا مشاہدہ کیا جو معاہدہ پر عمل درآمد کے سلسلہ میں مسلمان اَفسر (شہیدِ موتہ سیّدنا عبداللہ بن رواحہؓ) نے برتی تھی تو بے اِختیار اُن کی زبان سے نکلا بِهٰذَا قَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِنصاف یہی ہے جس کے سہارے زمین اور آسمان قائم ہیں۔ ۱

سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں حمص فتح ہوا وہاں کے عیسائی باشندوں سے معاہدہ کے مطابق خراج لیا گیا لیکن پھر ہرقل (شہنشاہ رُومۃ الکبریٰ) کی فوجوں کا دباؤ بڑھ گیا اور مسلمانوں کو عارضی طور پر حمص سے ہٹنا پڑا تو جو خراج وصول کیا تھا وہ واپس کر دیا کہ قَدْ شَغَلْنَا عَنْ نُصْرَتِكُمْ وَالدَّفْعِ عَنْكُمْ فَاَنْتُمْ عَلٰى اَمْرِكُمْ . ۲ ''اَب ہم دُشمن کے مقابلہ میں مصروف ہوں گے تمہاری اِمداد اور تمہارا دفاع نہیں کرسکیں گے آپ لوگوں کو اپنا اِنتظام خود کرنا ہوگا۔'' ۳

(۲)

لیکن اگر کوئی معاہدہ نہیں ہوا، مگر یہ مفتوح اَفراد حکومت سے تعاون کرتے ہیں یہاں تک کہ جنگ کے موقع پر اپنی فوج بنا کر کسی مسلمان جرنیل کی زیرِ قیادت مسلمانوں کی جنگی مہم میں شریک ہوتے ہیں تو ''خمس'' کا حق جو مسلمان مجاہدین کو ملتا ہے پورا پورا اِن کو بھی ملے گا۔ (شرح سیر الکبیر للامام محمدؒ ص ۳۰۹) اور اگر مسلمانوں کی فوج میں شریک ہو کر جنگی خدمات اَنجام دیتے ہیں تو ''خمس'' کا پورا حصہ تو نہیں اَلبتہ اُن کی خدمات کے پیشِ نظر اُن کی حوصلہ اَفزائی کی جائے گی اور اُن کو مناسب حصہ دیا جائے گا۔ ۴

---

۱ فتوح البلدان ص ۴۱، کتاب الاموال ص ۴۸۲ فقرہ نمبر ۱۴۳۷ ۲ فتوح البلدان ص ۱۴۳ ۳ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۳۸، ۱۳۹، فصل فی الکنائس والبیع والصلبان ۴ حوالہ مذکور و مبسوط وغیرہ

لیکن اگر اِس طرح کا تعاون نہیں کرتے بلکہ اگر اِن کو مجاہدین کے ساتھ بھیجا جائے تو اَندیشہ ہے کہ اُن کی شرکت خطرناک ہوگی اِس بنا پر ملکی دفاع اور تحفظ کی پوری ذمہ داری مسلمانوں ہی کو برداشت کرنی پڑتی ہے تو اِس صورت میں اُن پر جزیہ لازم ہوتا ہے۔ حضراتِ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ دولت سمیٹنا جزیہ کا مقصد نہیں ہوتا بلکہ محض جزوی تدارک اِس کا مقصد ہوتا ہے۔ بے شک یہ ایک اِمتیازی ٹیکس ہوتا ہے جو مسلمانوں پر نہیں ہوتا صرف غیر مسلموں پر ہوتا ہے اور چونکہ ایک مذہبی حکومت کی طرف سے ہوتا ہے تو اِس کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ مذہب کی طرف متوجہ ہوں، مسلمانوں کے طریقوں کو پرکھیں اور اُن کے ذہن مطمئن ہوں تو یہ مذہب قبول کریں (المبسوط ص ۷۸) مگر جہاں تک مالی مفاد کا تعلق ہے تو جزیہ کو اِن مالی ذمہ داریوں سے کوئی نسبت نہیں ہوتی جو مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں۔

(۳)

قرآنِ پاک کی تصریحات کے بموجب مسلمان ''حزب اللہ'' اور ''اَنصار اللہ'' ہیں اِن کی جانیں اور تمام مال خدا کے ہاتھ بِکے ہوئے ہیں [۱] جہاد اِن پر فرض ہے دفاع اِن پر فرض ہے لہٰذا اِن کو جان بھی قربان کرنی ہے اور مال بھی۔ یہ قربانی اُن کے ذمہ نہیں ہے جن سے جزیہ لیا جاتا ہے آنحضرت ﷺ کے دورِ مسعود میں رمضان ۸ھ میں مکہ پر فوج کشی ہوئی، حنین اور طائف کے غزوات پیش آئے اِن سے چند ماہ پہلے غزوہ موتہ اور چند ماہ بعد رجب ۹ھ میں غزوہ تبوک ہوا، اِن تمام غزوات خصوصاً تبوک کی مہم کے وقت حالات نہایت نازک تھے، مہم اِتنی بڑھی کہ تیس ہزار مجاہدین نے شرکت کی جس کی نظیر اُس وقت تک اِسلامی تاریخ میں نہیں تھی، ایک ماہ کی مسافت کو طے کرنا پڑا، بیت المال کا اُس وقت وجود ہی نہیں تھا، ایک طرف فصل تیار دُوسری طرف مسلمانوں کے ہاتھ خالی اِس تنگدستی کے باوجود تمام خرچ مسلمانوں نے برداشت کیا۔ اِن تینوں معرکوں سے پہلے خیبر فتح ہو چکا تھا جہاں کے یہودی کافی مالدار تھے مگر اِن معرکوں کے نام پر کوئی ٹیکس تو کیا لگایا جاتا آنحضرت ﷺ نے کسی یہودی یا عیسائی سے اپیل بھی نہیں کی، صرف مسلمانوں سے چندہ کیا اور مسلمانوں نے حیثیت سے بڑھ کر چندہ دیا اور صرف مسلمانوں ہی نے اِن تمام مہموں میں شرکت بھی کی کیونکہ یہی تھے جو رضائے اِلٰہی

حاصل کرنے کے لیے خدا کے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ کر چکے تھے ﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴾ [۱]

جہاد کے مصارف تو دَرکنار جزیہ کی وہ نسبت (تناسب) بھی نہیں جو زکوۃ کی ہوتی ہے، جس کے پاس دس ہزار درہم (تقریبًا تین ہزار روپے) ہوں اُس کو ۴۸ درہم (تقریبًا بارہ روپے) [۲] سالانہ اَدا کرنے ہوں گے جو جزیہ کی سب سے بڑی مقدار ہے۔ (دُرمختار)

دس ہزار درہم سے زیادہ کتنی ہی دولت اُس کے پاس ہو مگر اُس کو سالانہ اَڑتالیس درہم ہی اَدا کرنے ہوں گے لیکن مسلمان کو دس ہزار پر ڈھائی سو، بیس ہزار پر پانچ سو، چالیس ہزار پر ایک ہزار اَدا کرنے ہوں گے اور جس قدر دولت بڑھتی رہے گی، اُسی تناسب سے زکوۃ بڑھتی رہے گی۔

(۵)

''زکوۃ'' بوڑھے، جوان، مرد، عورت، نابینا، اَپاہج، بیمار، تندرست، تارکِ دُنیا یا دُنیادار ہر مسلمان پر فرض ہے، صرف نصاب کا مالک ہونا اور سال کا گزرنا شرط ہے مگر جزیہ اِن میں سے کسی پر لازم نہیں ہوتا جزیہ چونکہ اُس نصرت اور اِعانت کا تدارک قرار دیا گیا ہے جو بسلسلہ دفاع اُس شخص سے مل سکتی ہے لہٰذا اُسی پر لازم ہوتا ہے جو اپنے بدن سے نصرت اور مدد کر سکتے تھے۔ عورتیں، بچے، بوڑھے، معذور چونکہ جسمانی طور پر جنگ میں کوئی مدد نہیں کر سکتے لہٰذا اِن پر جزیہ بھی لازم نہیں ہوتا، سیاسیات سے کنارہ کش، تارکِ دُنیا، سادھو یا راہب وغیرہ بھی جزیہ سے مستثنیٰ رہیں گئے۔ متوسط درجہ کے لوگوں کا جزیہ اِس سے نصف ہوگا یعنی ۲۴ درہم سالانہ (تقریبًا چھ روپے) اور معمولی درجہ کے لوگوں پر صرف بارہ درہم [۳] سالانہ (تقریبًا تین روپے)۔ (کتاب الخراج لابی یوسفؒ ص ۱۲۲)

---

[۱] سورۂ بقرہ :۲۰۷ [۲] آج سے تقریبًا پچپن برس پہلے کے حساب کے مطابق۔ محمود میاں غفرلہٗ

[۳] بارہ درہم کے بھی صرف دس درہم رہ جائیں گے، اگر وہ چاندی کے بجائے سونے کے (دینار) کی شکل میں اَدا کرے گا۔ (بخاری شریف ص ۴۴۷) شیخ اِبن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ ایک دینار دس درہم کا ہوتا ہے مگر جزیہ کے سلسلہ میں بارہ درہم کا مانا جائے گا، یہ ہے حکومت کی سیر چشمی اور اہلِ مُلک کے حق میں رعایت۔

بہر حال بیت المال کی آمدنی ایک مد یہ بھی ہے جس کو ''جزیہ'' کہا جاتا ہے۔

(۸) اَموالِ فاضلہ :

معینہ مدات کے علاوہ بیت المال کی متفرق آمدنی کو'' اَموالِ فاضلہ'' کہا جاتا ہے مثلاً کوئی لاوارث مرا، اُس کا ترکہ یا بہ جرمِ بغاوت کسی کا مال ضبط کیا گیا تو اُس کا یہ مال بمدِ اَموالِ فاضلہ بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔

(۹) خمس :

اِسلام نے جہاں مذہبی معاملات کی اِصلاح کی، جہاد کو بھی مذہب اور دین کا ایک جز بنا دیا اور اِس کے قاعدوں اور ضابطوں میں بھی اِصلاحات کیں، جہاد کا مقصد معین کیا کہ :

''راہِ خدا میں خدا کے لیے حق کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے آپ کو قربان کر دینا۔''

جب یہ مقصد ہے تو ایک مجاہد جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ خدا کا ہے اُس کا نہیں ہے، اُس کو اپنے پاس نہیں رکھنا چاہیے اُس کو اُس نظام کے حوالے کر دینا چاہیے جو اِس لیے کارفرما ہے کہ خدا کا حکم اور اُس کا مقرر کردہ قانون نافذ کرے۔

جاہلیت کے دورِ قدیم میں نہیں بلکہ تہذیبِ جدید کے موجودہ دور میں بھی فوج کے سپاہی اَخلاقی ذمہ داریوں سے آزاد مانے جاتے ہیں وہ صرف شہر ہی فتح نہیں کرتے بلکہ شہری آبادی کی اِنفرادی مِلکیتیں حتی کہ اُس کی عصمت اور آبرو بھی فتح کر لیتے ہیں، موقع مل جاتا ہے تو اُن کی دست درازی خود اپنے شہریوں کو بھی معاف نہیں کرتی، بیسویں صدی کی لڑائیوں کے بے شمار مشاہدات اِس کی شہادت دے رہے ہیں لیکن اِسلام نے جب جہاد کو مذہبی فریضہ قرار دیا تو وہ تمام اَخلاقی پابندیاں بھی لازم کر دیں جن کا مذہب مُعلِّم اور داعی ہوتا ہے یہاں تک کہ مجاہد فی سبیل اللہ اور ''اِیثار شیوہ'' (قربان ہونے والا) شریف و با اَخلاق مردِ مومن ایک ہی مفہوم کی دو تعبیریں ہیں۔ خیانت بہت بڑا جرم ہے لیکن اگر مجاہد خیانت کرتا ہے تو گویا ایک حاجی اِحرام باندھ کر خانہ کعبہ میں چوری کرتا ہے یہ شرمناک بھی ہے اور موجبِ عتاب بھی۔

''میدانِ جنگ گرم تھا، ایک مجاہد عین معرکہ میں جاں بحق ہو گیا، لوگوں نے کہا درجہ شہادت حاصل کر لیا آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم غلط ہے میں نے دیکھا ہے یہ عذاب میں مبتلا ہے ایک عبا جو اِس نے چھپا کر رکھ لیا تھا وہ آتشین پیرہن بنا ہوا ہے اُس کے شعلے اِس کے اُوپر بھڑک رہے ہیں۔'' (اَوکمال قال)

لوگوں نے اُس کا سامان دیکھا تو ایک عبا برآمد ہوا جو اُس نے غنیمت میں حاصل کیا تھا اور جمع کرنے کے بجائے خود اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ (صحاح)

بقدرِ ضرورت کوئی خوردنی چیز تو اِس کے لیے مباح ہے ورنہ علاقۂ جنگ میں جو کچھ اُس کے ہاتھ لگتا ہے اُس کا فرض ہے کہ وہ خزانہ میں جمع کرادے اگر اِس میں کوتاہی کرتا ہے تو اپنے جہاد کو رائیگاں اور اَکارت کر رہا ہے اور عذابِ جہنم اپنے سر لے رہا ہے۔ جو کچھ مالِ غنیمت میں جمع ہوگا اُس کے چار حصے مجاہدین پر تقسیم کر دیے جائیں گے اور پانچواں حصہ ''بیت المال'' میں جمع کیا جائے گا اِس کو ''خمس'' کہا جاتا ہے جو عنوانِ مضمون کا معنون ہے۔ جو علاقہ فتح ہوگا اگر اُس کے متعلق محارب قوم سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے تو وہ بھی تقسیم کیا جائے گا جس کی تفصیل ''توسیع بیت المال'' کے تحت میں آگے آئے گی۔ (اِنشاءاللہ)

حکومت کو حق ہے کہ کانوں کا اِنتظام خود کرے اِس صورت میں جملہ برآمدات ''بیت المال'' کی ہوں گی لیکن اگر سونے چاندی، تانبا، پیتل، لوہے یا رانگ کی کان کسی شخص یا کمپنی کو دے دی گئی ہے تو اُن کی پیداوار میں بھی خمس ہوگا یعنی زکوۃ کی طرح چالیسواں حصہ نہیں بلکہ جو برآمد ہوگا اُس کا پانچواں حصہ بیت المال کو دیا جائے گا۔

سمندر سے موتی یا عنبر برآمد کیا جائے تو اِمام اَبوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو اُس کو مچھلی کی طرح برآمد کرنے والے کی مِلک قرار دیتے ہیں اور اُس پر ''خمس'' لازم نہیں کرتے مگر اِمام اَبو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اُس میں بھی ''خمس'' لازم کرتے ہیں۔ (کتاب الخراج لابی یوسفؒ ص ۲۱ و ۷۲)۔ (جاری ہے)

۞ ۞ ۞

علمی مضامین سلسلہ نمبر ۱۰ (قسط:۶)

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

دورِ حاضر کے سیاسی اور اِقتصادی مسائل

اور

اِسلامی تعلیمات و اِشارات

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ ﴾

۞ ۞ ۞

توسیع بیت المال :

یہ عنوان اِیجادِ بندہ ہے مگر جو مدّ ات ذکر کیے جا رہے ہیں وہ بیت المال کے مسلّمہ مدّ ات ہیں اِن کی تشریح آپ ملاحظہ فرمائیں گے تو اِس عنوان کی موزونیت کے متعلق آپ خود فیصلہ کر سکیں گے۔

اگر کسی قدیم مفہوم کو سمجھانے کے لیے کسی جدید اِصطلاح کا اِستعمال کرنا ممنوع نہیں ہے تو ''توسیع بیت المال'' کے لیے قومیانے یا قومی ملکیت میں دے دینے کی اِصطلاح ممنوع نہیں ہونی چاہیے۔

ماخذ :

" فئی" مفتوحہ علاقہ کو بھی کہا جاتا ہے اور اُس علاقے کی آمدنی پر بھی "فے" کا اِطلاق ہوسکتا ہے [۱] سورۂ حشر میں '' فئی'' کے مصارف بیان فرمائے ہیں فقراء، مساکین، اِبن سبیل (وغیرہ) اور اِس تقسیم اور صَرف کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے ﴿کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ﴾ [۲] کہ تم میں سے جو دولت منداور غنی ہیں اُن کے درمیان '' دُوْلَۃً'' نہ ہوجائے دُوْلَۃً کے معنی لینے دینے کے بھی ہیں اور دُوْلَۃً اُس چیز کو بھی کہتے ہیں جس کو لیا دیا جاتا ہے۔ بس اِس آیت کے معنی یہ کیے گئے ہیں تا کہ وہ تمہارے تونگروں کے قبضہ میں نہ آجائے۔ (بیان القرآن مولانا اَشرف علی صاحب تھانویؒ)

مختصر یہ کہ یہ آیت ایک بنیادی اُصول کی تعلیم ہے کہ جو چیز ایسی ہے کہ اُس کا نفع عام ہونا چاہیے ایسا نہ ہو کہ اُس کی منفعت چند اَفراد کے اَندر منحصر ہو کر رہ جائے آج کل کی اِصلاح میں پیداوار اور ذرائع پیداوار چند اَفراد کے اَندر محدود نہ رہنے چاہئیں اِس کے لیے اِسلامی حکومت کا فرض ہوگا کہ جب بھی ایسی صورت پیدا ہو یا پیدا ہونے کا قوی اِمکان ہو وہ مداخلت کر کے ایسا راستہ نکال دے کہ اُس کا نفع دائر سائر رہے۔

آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے بہت سے اِرشادات اور فیصلے اِس کی تشریح کرتے ہیں حضراتِ ائمہ مجتہدین اور فقہاءِ کرام نے اِس اصول کے ماتحت بہت سے اَحکام مرتب فرمائے ہیں اُن کی تفصیل کے لیے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ ہمارے پیش نظر تفصیل نہیں ہے ہم صرف نظریات پیش کر رہے ہیں یہاں چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن کے ذریعہ اِس اُصول کی بھی وضاحت ہوگی اور عنوان کا تقاضا بھی پورا ہوگا۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَھُوَ الْمُعِیْنُ .

تفصیل اِس لیے بھی بے سود ہے کہ حکومتِ اِسلامیہ کی مجلس شوریٰ کو حق حاصل ہے کہ بیت المال سے متعلق جزوی مدات میں مسلمہ اُصول کے تحت حالات اور وقت کے تقاضے کے بموجب جب ضرورت سمجھے ترمیم کرلے۔

---

[۱] کتاب الاموال لابی عبید ص ۱۶ [۲] سُورۂ حشر : ۷

(۱)

''مَاْرِبْ'' یمن کا مشہور مقام ہے جس کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں بھی ہے، یہیں کے رہنے والے ایک صحابی اَبْیَضْ بِنْ حَمَّالْ سَبَائِیْ تھے اِن کو اَبْیَضْ بِنْ حَمَّالْ مَآرِبِی بھی کہا جاتا ہے، یہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں درخواست لے کر حاضر ہوئے کہ مآرب میں جو نمک ہے وہ اِن کو عطا کر دیا جائے، آنحضرت ﷺ نے درخواست منظور فرمالی، جب یہ واپس ہو گئے تو ایک صاحب نے عرض کیا : یارسول اللہ ! آپ نے خیال نہیں فرمایا آپ نے اُن کو کیا عطا کر دیا ؟ آپ نے اُن کو '' اَلْمَاءُ الْعِدّ '' یعنی چشمہ عطا فرما دیا جو کبھی بھی خشک نہیں ہوتا۔ آپ نے اُس کو واپس لے لیا۔ [۱]

علمائے کرام نے اِس واقعہ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اُنہوں نے جو درخواست کی تھی کہ ''اَلْمِلْحُ'' (نمک) عطا کر دیا جائے تو اِس کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ اِس جگہ سے نمک محنت ومشقت اور کسی خاص ترکیب عمل وکد [۲] سے برآمد کیا جاتا ہوگا اِسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے اِجازت دے دی۔ اِس کی مثال ایسی ہوئی جیسے کسی جنگل سے درخت کاٹنے کی اِجازت دے دی جائے یا لوہے کی کان سے اُن ڈھیلوں یا پتھروں کو نکالنے کی اِجازت دے دی جائے جن میں سے خاص ذرّات نکال کر لوہا بنا لیا جاتا ہے، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ''اَلْمِلْحُ'' اُس طرح کی کان نہیں بلکہ چشمہ ہے اور چشمہ بھی موسمی نہیں ہے بلکہ اُس کا یہ پانی جو خود بخود نمک بن جاتا ہے ہمیشہ رہتا ہے۔ اَلدَّائِمُ لَا انْقِطَاعَ لِمَادَّتِہٖ. (مجمع البحار)

اَب سوال یہ پیدا ہوا کہ

(۱) آیا پانی کے چشمہ کی تملیک یا تخصیص جائز ہے اور اِس کو بطورِ جاگیر کسی کو دیا جا سکتا ہے ؟

(۲) کیا ایسی قدرتی چیز جو مباحِ عام ہو اور اُس کی ضرورت بھی عام ہو اُس کو کسی فرد یا اَفراد کے لیے مخصوص کر دینا اور اُن کی مِلک بنا دینا درست ہے ؟

---

[۱] تر مذی شریف ابواب الاحکام باب ماجاء فی القطائع رقم الحدیث ۱۳۸۰

[۲] لمعات شرح مشکوۃ

جہاں تک پانی کا تعلق ہے خود آنحضرت ﷺ اِس کے متعلق اعلان فرما چکے تھے : اَلنَّاسُ شُرَکَاءُ ثَلَاثٍ اَلْمَاءِ وَالْکَلَاءِ وَالنَّارِ.[۱] تین چیزوں میں تمام اِنسانوں کا مساویانہ ساجھا ہے پانی، گھاس، آگ، لپٹ اور روشنی یا اُس کی تپش، باقی چنگاری جس کا کوئلہ بنتا ہے وہ اُس کی ہے جس کی لکڑی ہے۔

دُوسری بات یہ کہ یہ قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے اور اِس کو بنانے کے لیے محنت و مشقت نہیں کرنی پڑتی تو اِس کا جواب بھی اِسی اِرشاد سے معلوم ہوگیا کہ خودرو گھاس کی طرح یہ عام ہونی چاہیے، بہرحال آنحضرت ﷺ کا یہ عطیہ خود آنحضرت ﷺ کے مقرر کردہ اصول کے خلاف تھا لہٰذا آپ نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

فقہاءِ کرامؒ نے اِس جیسے چشمہ کے لیے ''معدنِ ظاہر'' کی اِصطلاح مقرر کی اور ضابطہ طے کردیا کہ وہ زمین جہاں سے نمک خود برآمد ہوتا ہے جہاں سے تارکول یا تیل خود بخود بہتا ہے اور اِس طرح کی اور چیزیں جن کی ضرورت عوام کو ہوتی ہے، اِمام (خلیفہ) کو جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کو بطورِ جاگیر یا بطورِ ٹھیکہ دے دے کیونکہ ایسی معدنیات میں عوام کا حق ہے اور جاگیر یا ٹھیکہ پر دے دینے سے اُن کا حق ضائع ہوتا ہے، خلیفہ کو عوام کا حق باطل کرنے کا اِختیار نہیں ہے [۲] اِمام (خلیفہ) کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ایسے ''معدنِ ظاہر'' کو جن سے عوام کو اِستغناء نہیں ہوسکتا اُن کو اِس کی ضرورت رہتی ہے جیسے نمک، کحل (سرمہ)، تارکول، مٹی کے تیل کا چشمہ اور وہ کنویں جن سے عام لوگ پانی پیتے ہیں وہ کسی کو بطورِ جاگیر دے دے۔ (دُرمختار) اگر وہ کسی کو دے بھی دے گا تو یہ حکم قابلِ عمل نہیں ہوگا، عوام کا حق پھر بھی باقی رہے گا اور جس طرح اُس جاگیردار کو اِس معدنی چیز کے لینے کا حق ہوگا عوام کو بھی ہوگا۔

اور معدنِ ظاہر سے وہ مراد ہے جس کا قدرتی جوہر جس کی بنا پر اِس کو معدن کہا جاتا ہے اَجزاءِ زمین میں کھلے طور پر ہو اُس کو الگ کرنے میں کوئی خاص ترکیب یا محنت نہ کرنی پڑتی ہو۔ مَا کَانَ جَوْهَرُهَا الَّذِیْ اَوْدَعَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ جَوَاهِرِ الْاَرْضِ بَارِزًا . (دُر مختار کتاب احیاء الموات)

---

[۱] کتاب الاموال لابی عبید ص ۲۹۵ ،فقرہ ۷۸۲ [۲] بدائع الصنائع کتاب الاراضی ج ۲ ص ۱۹۴

(۲)

آنحضرت ﷺ کے اِس فیصلے سے جس طرح معدنِ ظاہر کا ضابطہ معلوم ہوا دُوسرا ضابطہ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو ''معدنِ ظاہر'' نہ ہو یعنی وہ معدنی جوہر زمین کے اَجزاء کے ساتھ اِس طرح ملا ہوا ہو کہ اُس کو الگ کرنے میں محنت بھی کرنی پڑتی ہو اور مصارف بھی برداشت کرنے پڑتے ہوں جیسے لوہے یا سونے یا چاندی کی کان، تو ایسی زمین جس میں ایسی کان ہو وہ بطورِ جاگیر کسی کو دی جاسکتی ہے۔ پس ایسی زمین جو کسی کو دے دی گئی اور اُس نے اُس میں سے معدنی جوہر برآمد کیا تو کچھ ائمہ مجتہدین تو اِس کو تجارتی کاروبار کی حیثیت دیتے ہیں اُن حضرات کا فتوی یہ ہے کہ اُس کی برآمد (پیداوار) پر سال گزرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی یعنی چالیسواں حصہ اُن کو دینا ہوگا جن کو زکوۃ دی جاسکتی ہے لیکن اِمام اَبوحنیفہؒ اِس کو ''رکاز'' قرار دیتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے اِرشادِ گرامی وَفِی الرِّکَازِ الْخُمُسُ کے بموجب اِس میں خمس یعنی پانچواں حصہ لازم کرتے ہیں یعنی اگر سو من سونا برآمد کیا تو بیس من سونا اَدا کرنا ہوگا اور اِس کے لیے سال پورا ہونا بھی شرط نہیں ہے بلکہ جیسے جیسے برآمد ہوتا رہے گا خمس کا اَدا کرنا لازم اور فرض ہوتا رہے گا۔

لیکن موجودہ دور میں یہ بات تعجب انگیز ہوگی کہ مٹی کے تیل یا پٹرول کے چشمے اِس طرح عام رہیں جبکہ اِن چیزوں نے یہ اہمیت اِختیار کر لی ہے کہ دفاع کا مدار ہی اِن چیزوں پر ہے حتی کہ سونے چاندی لوہے کی بھی اِن کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں ہے تو ایسے ہی مسائل ہیں جن کے اَحکام وقت اور حالات کے تقاضوں کے بموجب بدلتے رہتے ہیں اور اِرشادِ خداوندی ﴿ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ﴾ [۱] کے بموجب صاحب اِستنباط اور اہلِ علم ونظر اُولی الامر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے پھر ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ [۲] کے بموجب اُولی الامر کی اِطاعت اور اُن کے وضع کردہ قوانین اور قواعد کی تعمیل ضروری ہوتی ہے۔

---

[۱] سُورۂ نساء :۸۳ [۲] سورۂ نساء : ۵۹

پھر چونکہ مسلمانوں کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں یہاں تک کہ بموجب اِرشادِ خداوندی ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ ۱ کوئی معاملہ اور کوئی تجویز، تجویز ہی نہیں ہے جب تک شوریٰ نہ ہو۔ اور اِمام یعنی خلیفہ پابند ہے کہ شوریٰ کے فیصلے پر عمل کرے یہاں تک کہ اُس وقت جبکہ جنگِ اُحد میں کچھ صحابہ سے غلطی ہوگئی تھی اور وہ غلطی ہی شکست کا باعث ہوئی تھی اُس وقت بھی صاحبِ شریعت آنحضرت ﷺ کو حکم ہوا ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ ۲ اِن سے (پیش آمدہ) معاملہ میں مشورہ کرو یعنی اگرچہ نافذ کرنا خلیفہ کا کام ہوتا ہے اور اِسی بنا پر اِرشاد ہوا ﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ ۳ جب تم عزم کرلو (تو شوریٰ پر نہیں بلکہ) خدا پر بھروسہ کرو۔ مگر نفاذ سے پہلے وہ معاملہ قابلِ عمل معاملہ اور وہ فیصلہ فیصلہ جب ہی قرار دیا جائے گا جب مشورہ ہو چکا ہو، بہرحال شوریٰ کا کام ہوگا کہ وہ حالات اور ضرورتوں کا جائزہ لے اور اُسی کے متعلق رائے قائم کرے۔

صاحبِ بدائع الصنائع موات یعنی اُفتادہ اور غیر آباد زمینوں کے متعلق بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں فَالْاِمَامُ يَمْلِكُ اَقْطَاعَ الْمَوَاتِ مِنْ مَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ لِمَا يَرْجِعُ ذٰلِكَ اِلٰى عِمَارَةِ الْبِلَادِ ۴ یعنی اصل مقصد ملک کی تعمیر و ترقی ہے اِسی مقصد کے پیشِ نظر اِمام (خلیفہ) کو اِختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ غیر آباد اور دُور اُفتادہ زمینوں کو آبادکاری کے لیے دے دے۔ پس اِمام (خلیفہ با جلاسِ شوریٰ) کے لیے یہ تو قطعاً ناجائز رہے گا کہ نمک یا تیل وغیرہ کے چشمے جو مباح الاصل ہیں اور اُن سے عوام کی منفعت وابستہ ہے وہ کسی فرد یا اَفراد کو یا اَفراد کی جماعت (کمپنی) کو دے دے۔ یہ آنحضرت ﷺ کے طرزِ عمل کے بھی خلاف ہوگا اور ﴿كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً﴾ کی اِس نصِ قرآنی کے بھی خلاف ہوگا جو ہماری بحث کا ماخذ ہے اَلبتہ تعمیر و ترقی کے پیشِ نظر یہ قطعاً جائز ہوگا کہ اِن کو بیت المال کی مِلک قرار دیا جائے اور حکومت اپنے طور اِن کا وہ اِنتظام کرے جو ترقیٔ ملک کے لیے ضروری ہو۔ فَاِنَّ التَّصَرُّفَ فِيْمَا يَتَعَلَّقُ بِمَصَالِحِ الْمُسْلِمِيْنَ لِلْاِمَامِ كَحَفْرِ الْاَنْهَارِ وَاِصْلَاحِ قَنَاطِرِهَا (البدائع والصنائع ج ۶ ص ۱۹۴)

---

۱ سُورۂ شوریٰ : ۳۸ ۲ سورۂ آل عمران : ۱۵۹ ۳ سورۂ آل عمران : ۱۵۹

۴ کتاب الاراضی ج ۶ ص ۱۹۴

(۳)

آخر میں سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے دو واقعے بیان کرنے مناسب معلوم ہوتے ہیں جو نہایت دلچسپ اور سبق آموز بھی ہیں اور موضوعِ بحث کے لیے شمع ہدایت بھی۔

(الف) حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے ایک بہت بڑا رقبہ جو بہت طویل وعریض تھا حاصل کرلیا تھا آنحضرت ﷺ نے اُن کو اِس کے متعلق تحریر بھی لکھوا دی تھی اُس میں وضاحت تھی کہ اِس پورے رقبے میں جتنے ٹیلے ہیں جتنی نشیبی زمینیں ہیں اور جتنے معدن وغیرہ ہیں سب اِن کو دے دیے گئے۔ جب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ آپ نے آنحضرت ﷺ سے اِتنا طویل وعریض رقبہ حاصل کرلیا اور آنحضرت ﷺ کی خصلتِ مبارکہ یہ تھی کہ وہ سوال رد نہیں فرمایا کرتے تھے لہٰذا آنحضرت ﷺ نے اِتنا بڑا رقبہ آپ کو دے دیا مگر آپ سب کو آباد نہیں کر سکے بہت سا حصہ خالی پڑا ہوا ہے اب یا تو آپ اِس کا ذمہ لیجئے کہ سب آباد کریں گے ورنہ جس کو آباد نہ کرسکیں اُسے واپس کر دیجیے وہ اور لوگوں کو دیے دیا جائے گا جو اُس کو آباد کرلیں۔

حضرت بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ نے کہا : آنحضرت ﷺ نے جو رقبہ مجھے عطا فرمایا ہے قسم بخدا میں اُس میں سے کچھ بھی واپس نہیں کروں گا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا : واللہ ! آپ کو واپس کرنا ہوگا۔

پس جو حصہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آباد نہیں کر سکے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ حصہ حکماً واپس لے لیا اور اُس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ [۱]

اِمام اَبو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اِس واقعہ کو اِختصار کے ساتھ نقل فرمایا ہے مگر اِس اِختصار میں یہ تصریح بھی ہے کہ جس حصہ میں معدن تھے وہ اُن سے واپس لے لیا۔

---

[۱] کتاب الخراج یحیٰی اِبن آدم حدیث ۲۹۴ و اَبو داؤد شریف کتاب الامارۃ والفی والخراج

(ب) ''ھُنَی'' حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں مگر نہایت ذہین، مستعد، دیانتدار اور آپ کے معتمد ہیں اور مذہباً عیسائی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوج کے گھوڑوں اور اُونٹوں کے لیے جو چراگاہیں محفوظ کر رکھی ہیں اُن میں سے ایک چراگاہ ''رَبَذَہ'' کے قریب ہے، حضرت ھُنَی اِس کے نگرانِ اَعلیٰ ہیں، قحط کا زمانہ ہے بارش نہیں ہوئی مویشی کو چارہ نہیں ملتا، آس پاس کے مویشی سرکاری چراگاہ میں بھی چلے آتے ہیں۔ ضابطے کے اِعتبار سے اُن کو پکڑنا چاہیے مالکوں کو تنبیہ کرنی چاہیے مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ھُنی کو ہدایت فرما رہے ہیں :

''اپنے بازو لوگوں سے سمیٹے رکھو (کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو) مظلوم کی بددُعا سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ قبول ہوتی ہے۔''

بقولِ شیخ سعدیؒ ؎

بترس اَز آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن

اَجابت اَز دَرِ حق بہر اِستقبال مے آید[1]

جن کے پاس اُونٹوں یا بکریوں کے چھوٹے چھوٹے گلّے ہیں اُن کے جانوروں کو مت روکو اُن کو آنے دو اور دیکھو ھُنَی، عثمان بن عفان اور عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہما) جیسے دولت مندوں کے کسی ایک اُونٹ کو بھی اَندر نہ آنے دو، سختی سے روک دو (اِن حضرات کے پاس اُونٹوں کے علاوہ اور بھی ذرائع ہیں) اگر اِن کے اُونٹ مر بھی جائیں تو اِن کے باغ ہیں کھیت ہیں (اِن سے معاشی ضرورتیں پوری کریں گے) لیکن اگر اِن غریب آدمیوں کے مویشی مر جائیں گے تو یہ میرے پاس پکارتے ہوئے آئیں گے یا اَمیرالمومنین ! یا اَمیرالمومنین ! لَاابَالَکَ تیرا باپ مرے..... اے ھُنَی ! کیا میں اِن غریبوں کو چھوڑ سکتا ہوں ! (مجھے اِن کی ضرورتیں پوری کرنی ہوں گی اور نقد رقم خرچ کرنی پڑے گی) اب تم ہی بتاؤ (سستا سودا کیا ہے) گھاس سستی ہے (جس کو اِن کے مویشی چریں گے) یا سونا چاندی ؟ ؟

---

[1] مظلوموں کی آہ سے ڈر (کیونکہ اِن کی بددُعا کے وقت) قبولیت اللہ کی بارگاہ سے اِستقبال کے لیے آتی ہے۔

اور دیکھو (اِس کا ہمیشہ خیال رکھو) یہ زمینیں (جن کو ہم نے بحق حکومت محفوظ کرلیا ہے) اُن ہی کی زمینیں ہیں جو یہاں کے قدیم باشندے ہیں، اِسلام سے پہلے حملہ آوروں سے لڑکر مقابلہ کر کے اُنہوں نے اپنی اِن زمینوں کو محفوظ رکھا، اِسلام کا دور آیا تو اپنی اِن زمینوں کی حفاظت کرتے ہوئے دائرۂ اِسلام میں داخل ہو گئے، اُن کے ذہن یہ سوچ سکتے ہیں کہ ہم نے اُن پر ظلم کیا ہے (کہ اُن کی زمینیں بحق خلافت ضبط کرلیں اور اُن کا ''حِمٰی'' بنالیا) اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ اُونٹ نہ ہوتے جن پر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سامان لادا جاتا ہے تو میں کسی ایک کی بالشت بھر زمین بھی ضبط نہ کرتا۔ [۱]

اِسی سلسلہ میں ایک اعرابی حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور بڑے جوش سے تقریر کرنے لگا :

''یہ آبادیاں اور یہ زمینیں ہماری ہیں، زمانہ اِسلام سے پہلے ہم نے جان کی بازی لگا کر اِن کی حفاظت کی پھر ہم اِسلام سے مشرف ہو گئے تب بھی ہم اِن کی حفاظت کرتے رہے، آپ کو کیا حق ہے کہ (اِن کو ضبط کرلیں) اور حِمٰی بنالیں۔''

اعرابی بڑے جوش سے تقریر کر رہا تھا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ گردن جھکائے ہوئے تھے سانس پھول رہا تھا اور اپنی مونچھ مروڑ رہے تھے۔ یہی عادت تھی کہ پریشانی اور گہرے غور وفکر کے وقت سانس پھول جاتا تھا اور مونچھ کو (مینٹھنے لگتے تھے)۔ اعرابی نے اپنا اِعتراض بار بار دہرایا تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے سر اُٹھایا اور فرمایا :

اَلْبِلَادُ بِلَادُ اللّٰهِ (وفی روایة وَالْعِبَادُ عِبَادُ اللّٰهِ وَالْمَالُ مَالُ اللّٰهِ) وَنَحْمِیْ لِنَعَمِ مَالِ اللّٰهِ یُحْمَلُ عَلَیْهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَوْ لَا مَا اَحْمِلُ عَلَیْهِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَا حَمَیْتُ مِنَ الْاَرْضِ شِبْرًا فِیْ شِبْرٍ. [۲]

---

[۱] بخاری شریف ص ۴۳۰

[۲] کتاب الاموال لابی عبید فقرہ ۷۴۰، ۷۴۱ ص ۲۹۹ و اِبن سعد بحوالہ فتح الباری ج ۶ ص ۱۳۳

''ملک اللہ کا ہے، اِنسان اللہ کے ہیں، مال اللہ کا ہے، یہ اُونٹ اللہ کے ہیں (جن کے لیے یہ چراگاہ بنائی گئی ہے) وہ مال جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ہے جو اِن پر لادا جاتا ہے، اگر یہ مال نہ ہوتا اور اِس کو لادنے کے لیے اُونٹوں کی ضرورت نہ ہوتی تو خدا کی قسم میں کسی کی ایک مربع بالشت زمین بھی ضبط نہ کرتا۔''

وہاں سب کچھ اللہ کے لیے تھا ، یہاں سب کچھ پیٹ کے لیے۔ (معاذ اللہ!)

دُوسرا فرق یہ ہے کہ دورِ حاضر میں تیل اور پٹرول وغیرہ نے وہ اہمیت حاصل کر لی جو اُس زمانے میں اُونٹ گھوڑے اور گھاس کو حاصل تھی۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اُس وقت زمینوں کو بیت المال کے تصرف میں لے کر'' حِمٰی '' بنایا گیا، اب کانوں اور چشموں اور دیگر جنگی ضرورتوں کی چیزوں کو بیت المال کے تصرف میں لیا جاسکتا ہے اور قومی مِلک بنایا جاسکتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

وفیات

۳ رمئی کو حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے برادرِ نسبتی حافظ سیّد محمد عامر صاحب بوجہ ہارٹ اٹیک دہلی میں وفات پا گئے۔

۳ رمئی کو جناب حاجی فرمان صاحب طویل علالت کے بعد لاہور میں وفات پا گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہِ حامدیہ میں مرحومین کے لیے اِیصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت کرائی گئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین۔ اہلِ اِدارہ جملہ پسماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

علمی مضامین سلسلہ نمبر۱۰ (قسط:۷،آخری)

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد واَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

دورِ حاضر کے سیاسی اور اِقتصادی مسائل

اور

اِسلامی تعلیمات واِشارات

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحبؒ ﴾

فئے :

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے مفتوحہ علاقے کی اَراضی کو ''فے'' کہا جاتا ہے اگر اُن اَراضی کو اصل باشندوں کے پاس رہنے دیا جائے اور منافع کے متعلق کوئی معاہدہ ہو جائے تو اُس (خراجی) آمدنی کو بھی فئے کہا جاتا ہے۔[1] ''اَمَّا الْفَیْئُ فَھُوَ الْخَرَاجُ عِنْدَنَا خَرَاجُ الْاَرْضِ''[2]

[1] کتاب الاموال لابی عبیدؒ ص ۱۶ [2] اَبو یوسفؒ کتاب الخراج ص ۲۳

آنحضرت ﷺ نے اپنے دورِ مسعود میں یہ بھی کیا کہ خمس کا حصہ مستثنیٰ کر کے باقی حصوں کی اَراضی مجاہدین پر تقسیم کردی اور ایسا بھی ہوا کہ کوئی دستہ کسی مہم پر بھیجا گیا اُس کے لیے کسی مخصوص حصہ کا وعدہ فرمالیا گیا کہ کامیابی کے بعد وہ حصہ اُس دستہ کے مجاہدین کو بطورِ اِنعام دیا جائے گا اِس کو ''نفل'' کہا جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں عراق فتح ہوا، فتحِ عراق کے سلسلے میں ''معرکۂ قادسیہ'' بہت سخت اور فیصلہ کن تھا، مفتوحہ علاقوں کے متعلق جو دستور اَب تک رہا تھا اُس کی بنا پر جنگ قادسیہ کی کامیابی کے بعد ایک رائے یہ تھی کہ مفتوحہ علاقہ مجاہدین پر تقسیم کردیا جائے لیکن فاروقِ اعظم ؓ کے سامنے ملک کی تعمیری و دفاعی خصوصًا عوام کی معاشی ضرورتوں کا سوال تھا کہ اگر مفتوحہ علاقہ مجاہدین پر تقسیم کردیا جائے تو جاگیر دار تو بہت سے ہو جائیں گے جن کی جائیدادیں نسلاً بعد نسلٍ اُن کی اَولاد میں تقسیم ہوتی رہیں گی مگر اِن کے علاوہ دُوسرے لوگ خصوصًا بعد کی نسلیں خالی (اور محروم) رہ جائیں گی اٰخِرَ النَّاسِ بَبَّانًا لَیْسَ لَھُمْ شَیْئٌ لٰہذا آپ کی رائے یہ ہوئی کہ تقسیم کے بجائے اِن اَراضی کو ''خزانہ'' بنا دیا جائے جس کو سب تقسیم کرتے رہیں گے۔ اَتْرُکُھَا خِزَانَةً لَّھُمْ یَقْتَسِمُوْنَھَا. [1]

مشترکہ خزانہ کی وضاحت آپ کے اِس اِرشاد سے ہوتی ہے :

لَئِنْ بَقِیْتُ لَا رَامِلَ اَھْلِ الْعِرَاقِ لَاَدَعَنَّھُمْ لَا یَفْتَقِرُوْنَ اِلٰی اَمِیْرٍ بَعْدِیْ . [2]

''اہلِ عراق کی بیوہ عورتوں کے نصیب سے اگر میں زندہ رہا تو اُنہیں ایسا کردُوں گا کہ میرے بعد کسی اور اَمیر (کے فرمان یا پروانہ) کی اُن کو ضرورت نہ رہے گی۔''

صحابہ کرام ؓ کے خیالات مختلف تھے، کچھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے کچھ موافق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضراتِ صحابہ کا عام اِجتماع کیا اُس اِجتماع میں ہر ایک نے آزادی سے اپنی رائے ظاہر کی آخر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی۔ آپ نے سورۂ حشر کی وہ آیتیں

---

[1] بخاری شریف ص ۶۰۸ باب غزوۂ خیبر و کتاب الاموال لابی عبید ص ۵۶ فقرہ ۱۴۳، کتاب الخراج لابی یوسف ؒ ص ۲۴

[2] کتاب الخراج لابی یوسف ؒ ص ۳۷

پیش کیں جن میں مختلف طبقات (مہاجرین اور انصار) اور اُن کی آئندہ نسلوں اور اِن کے علاوہ تمام ضرورتمند مسلمانوں کا ذکر ہے جو اَب موجود ہیں یا آئندہ آنے والے ہیں اور تقسیم کر دینے کے حکم کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ﴿لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً﴾ وہ دولت مندوں کے قبضہ کی چیز بن کر نہ رہ جائے اِن آیات سے اِستدلال کرتے ہوئے آپ نے یہ تجویز پیش فرمائی :

قَدْ رَاَیْتُ اَنْ اَحْبِسَ الْاَرْضِیْنَ بِعُلُوْجِھَا وَاَضَعُ عَلَیْھِمْ فِیْھَا الْخَرَاجَ وَفِیْ رِقَابِھِمُ الْجِزْیَۃَ یُؤَدُّوْنَھَا." (کتاب الخراج ص ۲۵)

''میری رائے ہے کہ زمین کو کاشت کاروں کے پاس رہنے دوں، زمینوں کا خراج مقرر کر دیا جائے اور کاشت کاروں پر جزیہ لگا دیا جائے۔''

اِس کانفرنس اور بحث مباحثہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ

فَاَجْمَعَ عَلٰی تَرْکِہٖ وَجَمْعِ خَرَاجِہٖ (کتاب الخراج لابی یوسفؒ ص ۲۷)

''یہی طے ہو گیا کہ زمینیں کاشت کاروں کے پاس چھوڑ دی جائیں اور اُن سے خراج وصول کیا جاتا رہے۔''

ممکن ہے آج کل کی سرکاری زبان میں کہہ دیا جائے کہ کاشتکاروں کو ''بھومی دُھر'' [1] بنا دیا گیا ۷ھ آنحضرت ﷺ کے دورِ مسعود میں خیبر فتح ہوا تو وہاں کے اصل باشندوں یہود سے طے کر لیا گیا کہ فی الحال وہ اپنی زمینوں اور باغات پر قابض رہیں گے اور پیداوار کا نصف حصہ ادا کرتے رہیں گے اِس آمدنی میں اُن چودہ سو مجاہدین کے حصے مقرر کر دیے گئے جو اُس غزوہ میں شریک تھے آنحضرت ﷺ کو جو حصہ ملا تھا اُس میں سے آپ نے ہر ایک زوجہ محترمہ کا حصہ مقرر فرما دیا تھا شرائط معاہدہ کے پیشِ نظر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اُن یہود کو خیبر سے تیماء اور اَریحا منتقل کر دیا اور خیبر خالی کرا لیا تو اَب آمدنی کے بجائے خیبر کی زمینیں اور باغات اُن مجاہدین یا اُن کے وارثوں کو دے دی گئیں

---

[1] ممکن ہے کہ اِس اِصطلاح کی تشریح آگے صفحہ ۲۱ پر آنے والی یہ عبارت ہو : ''اِس سلسلہ میں جاگیردارانہ نظام کی صورت.....اور اِس کی سخت ممانعت کی ہے۔'' محمود میاں غفرلہٗ

اور اَزواجِ مطہرات کو اِختیار دے دیا کہ : " اَنْ یُّقْطِعَ لَھُنَّ مِنَ الْمَاءِ وَالْاَرْضِ اَوْ یُمْضِیَ لَھُنَّ " ۱

''وہ چاہیں تو اُن کے حصہ کے بموجب زمین اور پانی (کنواں یا چشمہ) دے دیں یا جس طرح جو اَور کھجور کی شکل میں اُن کو نفقہ اب تک مل رہا ہے اِسی طرح پیش کیا جاتا رہے۔''

مختصر یہ کہ خیبر کی زمینیں کاشت کاروں سے لے کر مجاہدین کو دے دی گئیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اِس میں کوئی ترمیم نہیں کی (یعنی اُن اَراضی کو بیت المال کے تصرف میں نہیں دیا) کیونکہ خلیفہ کو یہ حق نہیں ہے کہ جو بات آنحضرت ﷺ سے صراحت کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے اُس میں کوئی ترمیم کرے لہٰذا جو تقسیم آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ہوئی تھی اُس کو باقی رکھا۔

البتہ جنگِ قادسیہ کا ایک خاص معاملہ خاص طور پر مستحق توجہ ہے اُس سے توسیعِ بیت المال کا مفہوم بھی واضح ہو جائے گا۔ ''بُجَیْلَۃْ'' یمن کا مشہور طاقتور قبیلہ تھا حضرت جریر بن عبداللہ اُس کے شیخ اور رئیس تھے معرکۂ قادسیہ کی تیاری ہو رہی تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا :

''آپ اِس معرکہ میں شرکت کریں آپ کو عراق کا ایک تہائی یا ایک چوتھائی دے دیا جائے گا۔'' (یحیٰی بن آدم ص ۴۵)

حضرت جریر رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کو لے کر عراق پہنچے جہاد میں شرکت کی اہلِ قبیلہ نے اِس کثرت سے جہاد میں شرکت کی کہ پوری فوج میں مجاہدین کی جو تعداد تھی اُس میں ۲۵ رفیصدی اُس قبیلہ کے مجاہدین تھے، دشمن پر اِن کا دباؤ بھی اِتنا سخت تھا کہ دُشمن نے اپنے اُٹھارہ ہاتھیوں میں سے سولہ اِن کے مقابلہ میں جھونک دیے اور صرف دو ہاتھی باقی فوج کے مقابلہ میں تھے۔ یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ اِس میدان میں بجیلہ ہی نے دھاک جمائی ہے (اور پالہ جیتا ہے) اِنَّ بَأْسَ النَّاسِ ھَاھُنَا لَبُجَیْلَۃُ . ۲

۱ بخاری شریف ص ۳۱۳ کتاب الخراج لابی یوسفؒ ص ۸۹

۲ اَبو یوسفؒ ص ۳۱

لطیفہ :

اللہ تعالیٰ نے اِس معرکہ میں کامیابی عطا فرمائی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حسبِ وعدہ مفتوحہ علاقہ کا ایک چوتھائی اِس قبیلہ کے مجاہدین کو تقسیم کر دیا، تین سال تک یہ علاقہ اُن کے پاس رہا یہ اُس کی آمدنی وصول کرتے رہے۔ فَاَکَلُوْہُ ثَلَاثَ سِنِیْنَ [۱] مگر تین سال بعد [۲] (بظاہر اَراضی عراق کے متعلق مذکورہ بالا پالیسی طے ہونے کے بعد جدید بندو بست کے وقت ایسا ہوا کہ) حضرت جریر رضی اللہ عنہ کسی کام سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

''یَا جَرِیْرُ اِنِّیْ قَاسِمٌ مَسْئُوْلٌ . لَوْ لَا ذَالِكَ لَسَلَّمْتُ لَكُمْ مَا قَسَمْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ اَرٰی اَنْ یُّرَدَّ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ'' [۳]

''جریر ! میرا کام تقسیم کرنا ہے میں جواب دہ ہوں اگر جواب دہی کی ذمہ داری نہ ہوتی تو جو حصہ میں تمہیں دے چکا تھا وہ تمہارے ہی سپرد رکھتا لیکن اَب میری رائے یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو واپس کر دیا جائے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ایک طے شدہ پالیسی کی بنا پر تھی حضرت جریر رضی اللہ عنہ اِس سے کب گریز کر سکتے تھے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اِس علاقہ کو واپس کر دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو بطورِ جائزہ (اِنعام) اَسی دینار عطا فرمائے فَرَدَّہُ جَرِیْرٌ فَاَجَازَہُ عُمَرُ رضی اللّٰہ تعالٰی عَنْھُمَا بِثَمَانِیْنَ دِیْنَارًا. [۴]

ظاہر ہے عراق کا یہ چوتھائی علاقہ کاشت کاروں کو نہیں دیا گیا یہ بیت المال کا قرار دیا گیا اِسی بنا پر بیت المال سے اَسی دینار دیے گئے۔ اِس تغیر اور تصرف کے بعد اِس کی پوری آمدنی بیت المال کی

---

[۱] اَبو یوسفؒ ص ۳۲ [۲] بروایت یحیٰی بن آدم دو یا تین سال بعد

[۳] کتاب الخراج لابی یوسفؒ ص ۳۲ و معناہ عند یحیٰی بن آدم ص ۴۵

[۴] اَبو یوسفؒ ص ۳۲ یحیٰی بن آدم ص ۴۵

رہی جو بیت المال کے مصارف میں صرف ہوتی رہی۔ یہ توسیع بیت المال کی ایک شکل ہے، مجلس شوریٰ مصالح اُمت کے پیشِ نظر اِس پر بھی غور کرسکتی ہے۔ [۱] لیکن فقہاء کی واضح تصریح یہ بھی ہے کہ کسی مسلم یا غیر مسلم کی کوئی مِلک اَداء قیمت کے بغیر نہیں لی جاسکتی لَیْسَ لِلْاِمَامِ اَنْ یُّخْرِجَ شَیْئًا مِنْ یَدِ اَحَدٍ اِلَّا بِحَقٍّ ثَابِتٍ مَعْرُوْفٍ . [۲] اَلبتہ قبیلہ بجیلہ کی طرح کوئی جماعت بطیبِ خاطر بیت المال کو ہبہ کردے یا بیت المال کے عطیہ کو واپس کردے تو وہ یقیناً عنداللہ وعندالناس مستحقِ شکر یہ ہوگی اور طیبِ خاطر کے لیے خلیفۂ وقت کچھ عطا کردے تو سنتِ فاروقی اِس کی بھی اِجازت دیتی ہے۔ (واللہ اَعلم بالصواب)

اُجرتِ اَملاک (کراء الارض) :

ملک کی تعمیر وترقی اور دفاعی لحاظ سے ملک کا اِستحکام حکومت کا مسلمہ فریضہ اور ایک بنیادی مقصد ہے، ضرورت اور حالات کے مطابق اِس کی صورتیں طے کی جائیں گی اور اِن پر عمل کیا جائے گا اِن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُفتادہ یا لاوارث زمینوں کو کارآمد بنایا جائے اور اِس طرح بیت المال کے محاصل میں اِضافہ کیا جائے۔ یہ زمینیں بیت المال کی مِلک ہوتی ہیں اِصطلاحًا اِن کو ''اَرْضُ الْحَوْزِ'' یا ''اَرْضُ الْمَمْلَکَۃْ'' کہا جاتا ہے۔ یہ زمینیں عشری یا خراجی نہیں ہوتیں بیت المال اِن کو فروخت بھی کرسکتا ہے اِن میں کرایہ کے لیے مکان بھی بنواسکتا ہے اور اِن کو کاشت کے لیے اُجرت یعنی کرایہ پر بھی دے سکتا ہے کہ کاشتکار مقررہ اُجرت (کرایہ) اَدا کرتے ہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کاشتکاروں پر جبر وقہر قطعًا نہ ہو۔ اِس سلسلہ میں جاگیردارانہ نظام کی صورت بھی بن سکتی ہے مثلاً کاشتکاروں کی زندگی کسی رقبہ زمین کے ساتھ اِس طرح جوڑ دی جائے کہ وہ وہاں سے کہیں نہیں جاسکتے اور پیداوار ہو یا نہ ہو اُن کو مقررہ کرایہ لامحالہ اَدا کرنا ہوگا، شریعت نے اِس کو جائز قرار نہیں دیا بلکہ حرام کہا ہے اور اِس کی سخت ممانعت کی ہے وَاِجْبَارُہٗ عَلَی السُّکْنٰی فِیْ بَلْدَۃٍ مُتَعَیَّنَۃٍ یُعْمِرُ دَارَہٗ وَیَزْرَعُ الْاَرَاضِیْ حَرَامٌ . [۳]

---

[۱] کتاب الخراج لامام اَبی یوسفؒ ص ۶۸، ۶۹ [۲] کتاب الخراج لابی یوسفؒ ص ۶۵ والتفصیل فی رد المختار فی باب العشر والخراج والجزیہ ص ۳۵۳ تا ۳۵۵ ج ۳

[۳] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ (دُر مختار رد المختار ج ۳ باب العشر والخراج والجزیۃ)

ٹیکس یا قرض :

(۱) جبکہ صرف نظریات پیش کیے جا رہے ہیں تو مصارفِ حکومت کے جملہ مدات کا بیان کرنا ضروری نہیں معلوم ہوتا یہ مختصر بات کافی ہے کہ دورِ حاضر میں سائنسی ترقیات اور دفاعی ضرورتوں کو خرچ کا سب سے زیادہ وسیع ضروری اور اہم مد قرار دیا جاتا ہے لیکن اِسلام کی نظر میں رُوحانی اور مادّی تربیت حکومت کا سب سے اہم فرض اور بنیادی مقصد ہے، دفاعی ضرورتیں اِضافی اور عارضی ہیں اور تربیت اصلی اور حقیقی ضرورت ہے آنحضرت ﷺ کا اِرشاد ہے : اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور قرآنِ حکیم کا اعلان ہے کہ ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا﴾ [۱] ''زمین میں چلنے والا کوئی جانور نہیں ہے جس کی روزی کا اِنتظام اللہ پر نہ ہو۔''

اور لطف یہ ہے کہ دستورِ اَساسی یعنی (قرآنِ حکیم) میں دستور عطا فرمانے والے کا نام لیا گیا تو اُس کا سب سے پہلا وصف وہی بیان کیا گیا جس کا تقاضا ہمہ گیر تربیت اور عمومی پرورش ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ '' رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ''

یہ اُس دستورِ اَساسی کا سب سے پہلا فقرہ ہے جس کو'' ھُدًی ''اور'' بُشْرٰی '' بنا کر نازل کیا گیا۔ [۲]

(۲) سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعدد اِرشادات اُن صفحات میں گزر چکے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جو صوبہ فتح کر کے اِسلامی نظامِ حکومت میں داخل کیا گیا اُس میں جو مالی نظام قائم کیا گیا اُس کا نصب العین یہ تھا کہ وہ بیوہ عورتیں جو گھروں میں پڑی ہیں وہ چرواہے جو کسی دامنِ کوہ میں یا کسی دریا کے کھادر [۳] میں اپنے گلے چرا رہے ہیں اُن کے وظیفے گھر بیٹھے اُن کے پاس پہنچ جایا کریں، نہ کسی کو سفر کی زحمت اُٹھانی پڑے نہ آفتاب کی تیز کرنوں سے چہرہ تپانا پڑے۔ [۴]

---

[۱] سورہ ہود آیت ۶ [۲] ﴿ ھُدًی وَّ بُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ سُورۃ البقرۃ آیت ۹۷

[۳] نشیب [۴] کتاب الخراج للامام اَبویوسفؒ ص ۳۷ و ۴۶

(۳) جسمانی تربیت کے ساتھ رُوحانی اور اَخلاقی تربیت یعنی تعلیم بھی اُتنی ہی ضروری ہے رب العالمین کا عطا فرمودہ دستورِ اَساسی اِس کو بھی اُتنی ہی اہمیت دیتا ہے اِس سلسلہ میں کچھ اِشارات ''قانون یا تعلیم وتربیت اور تقسیمِ فرائض'' کے باب میں گزر بھی چکے ہیں۔

اِن ہمہ گیر فرائض کو سامنے رکھ کر آمدنی کا موازنہ کیا جائے گا اگر آمدنی ناکافی ہے تو اُس کو پورا کرنے کے لیے آج کل کی اِصطلاح میں خسارہ کو ختم کرنے کے لیے اَصحابِ اِستطاعت سے مزید مطالبات کیے جائیں گے، اِن مطالبات کو ''ضرائب'' کا عنوان دیا گیا ہے۔

(۴) ''ضرائب'' کا عنوان دُنیاوی حکومتوں کے قوانین کے لحاظ سے موزوں ہوسکتا ہے مگر اِیثار و اَخلاص کی جو رُوح قرآنِ حکیم پیدا کرتا ہے اُس کے لحاظ سے یہ عنوان غیر موزوں ہی نہیں بلکہ توہین آمیز بھی ہے، ضرب کے معنی مقرر کرنا اور ''ضربیہ'' [۱] ''ٹیکس'' کو کہا جاتا ہے جو کسی پر مقرر کر دیا جائے۔ اِس لفظ کے ایک رُخ سے جبر و قہر اور دُوسرے رُخ سے خود غرضی، تنگدلی، ذخیرہ اَندوزی اور حرص وطمع کی بو آتی ہے۔ گویا خلق خدا بھوک اور فاقہ سے تباہ حال ہے اُن کی زندگی برباد اور اُن کی اَولاد کا مستقبل تباہ ہو رہا ہے، سرحدوں پر دُشمن منڈلا رہا ہے مگر اَصحابِ دولت کا دل نہیں پسیجتا اُن کے سینوں میں گوشت کے لوتھڑوں کی بجائے پتھر بھر دیے گئے ہیں لہٰذا ملک کے اَربابِ حل وعقد مجبور ہوتے ہیں کہ اِن پتھروں میں جونک لگائیں اور ایسا قانون بنائیں کہ سنگدل سرمایہ داروں کی تجوریوں سے کچھ برآمد کیا جاسکے قرآنِ مجید اِس کو ''فسادالارض'' قرار دیتا ہے۔ [۲]

جب آمدنی کے معینہ مدات ناکافی ہوں گے تو بلاشبہ آمدنی بڑھانے کی ضرورت ہوگی اور کچھ ہنگامی محاصل جن کو آج کل اِصطلاح میں ''ایمرجنسی ٹیکس'' کہا جاسکتا ہے اَغنیاء اور اہلِ ثروت پر عائد کیے جائیں اُن کو ''ضرائب'' کہا جاتا ہے۔ مالکی مسلک کے مشہور فقیہ اور محدث علامہ اِبن حزمؒ نے اِس کے دلائل پیش کیے ہیں۔ [۳]

---

[۱] اِس کی جمع ضرائب ہے۔ [۲] مطالعہ فرمایئے سورۂ قصص آیت ۷۷، سورہ اَعراف آیت ۸۵، ۸۶، سورۂ ہود آیت ۸۳، ۸۴ وغیرہ ذالک من الایات [۳] ملاحظہ ہو : اِسلام کا اِقتصادی نظام اَز مجاہدِ ملت ص ۱۲۲، ۳۴۷، ۳۵۴

مگر قرآنِ حکیم نے ''ضریبہ'' (ٹیکس) نہیں بلکہ ''قرض'' کا لفظ اِستعمال فرمایا ہے اور قرض بھی کسی اور کے لیے نہیں اللہ کے لیے، اِس لطیف اور وجد آفریں اِصطلاح کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، کچھ اِشارے یہاں بھی پیش کیے جا رہے ہیں :

(۱) ابھی دعوتِ اِسلام کا آغاز ہوا تھا کہ سورۂ مزمل کی آخری آیت کے چند الفاظ میں پورا پروگرام پیش کر دیا گیا ہے :

''نماز کی پابندی رکھو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو اچھی طرح قرض دو (یعنی اخلاص سے)''

(۲) ''اللہ کے راستہ میں جہاد کرو اور یہ یقین رکھو کہ اللہ سب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔'' [۱] ..... تو ساتھ ساتھ قرض کی ترغیب بھی فرمائی گئی :

''کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش دلی کے ساتھ قرض دیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اُس کا قرض دُگنا چوگنا زیادہ کر کے اَدا کرے۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۴۵)

(۳) سورۂ محمد (ﷺ) کی آخری آیتیں بار بار گزر چکی ہیں جن میں ترغیب کے علاوہ تفہیم بھی ہے کہ قوم اور آپ دو جدا جدا چیزیں نہیں ہیں کہ اُن کی ضرورتیں الگ ہوں جس کو ''قومی ضرورت'' کہا جاتا ہے وہ خود آپ کی اپنی ضرورتیں ہیں، اگر بخل کرتے ہو تو خود اپنے آپ سے بخل کرتے ہو۔ سورۂ بقرہ میں اِرشاد ہوا :

''اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ایسا نہ کرو کہ (قومی ضرورتوں سے غافل ہو کر) اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دو۔'' (آیت ۱۹۴)

بایں ہمہ نوعِ اِنسان اور خلقِ خدا کے عمومی مفاد کو سامنے رکھ کر یہ قرض دیا جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اِس کو اپنی مدد قرار دیتا ہے اور پختہ وعدہ کرتا ہے کہ :

﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ (سُورہ حج : ۴۰)

''جو خدا کی مدد کرے گا یقیناً اللہ تعالیٰ بھی اُس کی مدد فرمائے گا۔''

---

[۱] سورۂ بقرہ آیت ۲۴۳

یہ ہے اِسلامی تعلیمات کے پیشِ نظر اِقتصادیات کا مختصر خاکہ۔ حضرات اہلِ علم غور فرمائیں تو قرآنِ حکیم کے دریائے ناپیدا کنار ۱ سے بے شمار دُرہائے شاہوار ۲ حاصل کر سکتے ہیں

﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ﴾

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

۞ ۞ ۞

ULOOM UL FIQA 1437\TAKHASUS FIL ULOOM UL FIQA6x90000.jpg not found.

۱ سمندر جس کا کنارہ دکھائی نہ دے۔ ۲ بادشاہوں کے لائق، مراد علم وحکمت کے دریا۔